ماہنامہ
المرشد
لاہور

مئی 1999

لا الہ کی تیغ کاٹے گی اندھیرے کا جگر
گنبد خضرا سے روشن ہو گی پھر اپنی سحر
اپنا خون سیماب دیکر اتنا ہم کر جائیں گے
نام آقا کا چمن میں پھر رقم کر جائیں گے

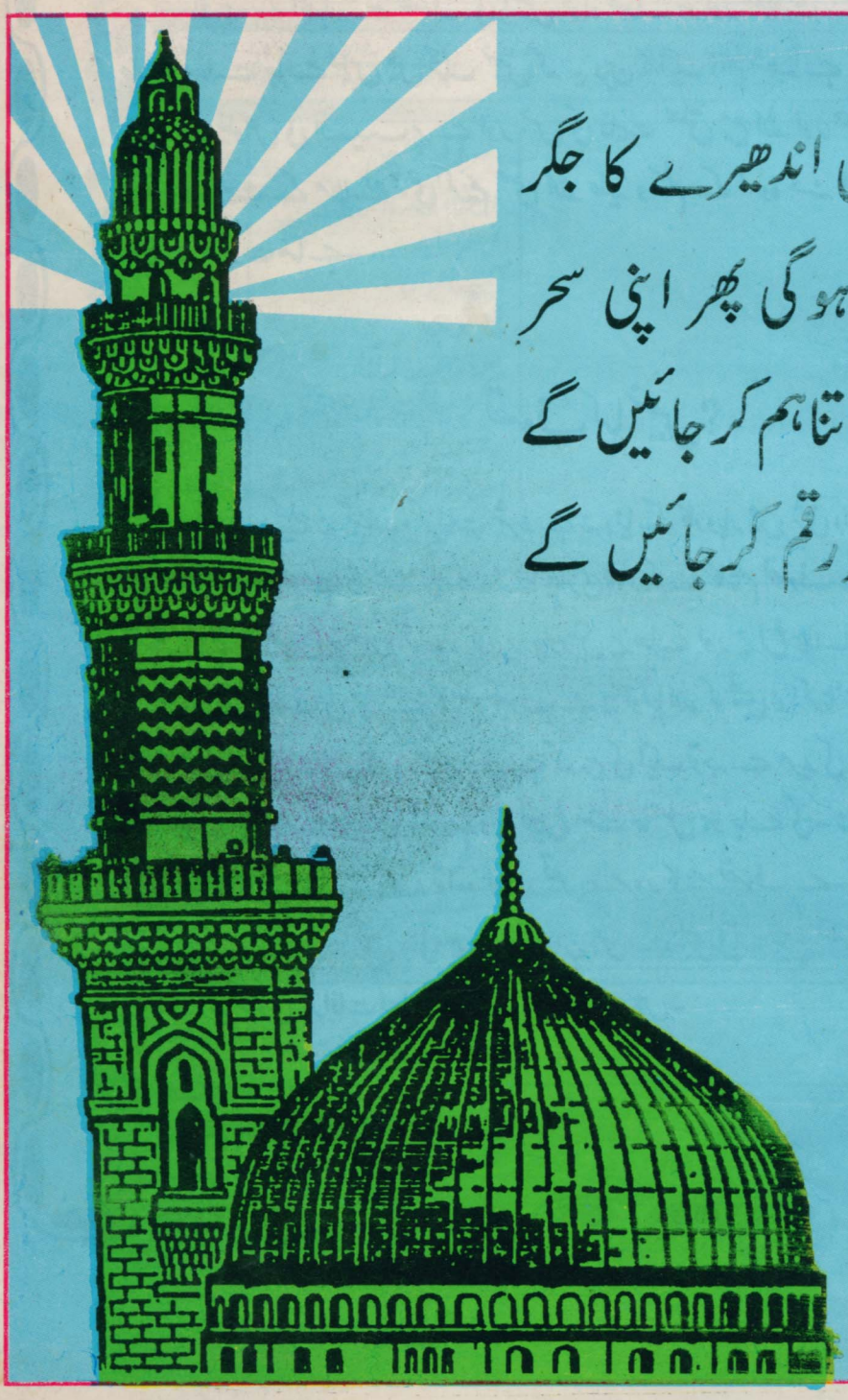

ماہنامہ

المرشد لاہور

سی پی ایل نمبر 3

مدیر
چوہدری محمد اسلم

جلد نمبر 20 محرم صفر 1420ھ بمطابق مئی 1999ء شمارہ نمبر 10

اس شمارے میں

۱	اداریہ (سود و زیاں)	سرفراز حسین	۳
۲	بارش کا پہلا قطرہ	امیر محمد اکرم اعوان	۴
۳	نظام کی تبدیلی	نسیم شاہد	۷
۴	ہماری بیٹیاں	آسیہ اعوان	۸
۵	ایک غلط فہمی اور اسکا ازالہ	یعقوب	۱۲
۶	معروف مسانید او وکتب حدیث	مولانا عبدالمالک	۱۴
۷	بہبود عامہ کا تصور	ڈاکٹر لیاقت علی نیازی	۱۸
۸	جمہوریت کی آتما	روبینہ نصیر	۲۲
۹	امام	امیر محمد اکرم اعوان	۲۴
۱۰	ثمرات فکر در کائنات	امیر محمد اکرم اعوان	۲۹
۱۱	سلیم قلب اور نور نبوت	امیر محمد اکرم اعوان	۳۳
۱۲	راہ نجات	امیر محمد اکرم اعوان	۴۱
۱۳	سرخ بتی اور سبز بتی	عدنان شاہد	۴۶
۱۴	عہد حاضر میں نظام خلافت	کے - ایم - اعظم	۴۷
۱۵	سمجھوتے	امیر محمد اکرم اعوان	۵۰
۱۶	اسرار التنزیل	امیر محمد اکرم اعوان	۵۵
۱۷	ذکر خفی	حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ	۵۷
۱۸	توبہ کر لو	امیر محمد اکرم اعوان	۵۹

رابطہ آفس:۔ کمرہ نمبر 8۔ سیکنڈ فلور، ریکس سٹی ہتیانہ روڈ فیصل آباد۔ فون 732254، فیکس 727002

ناشر۔ پروفیسر حافظ عبدالرزاق

انتخاب جدید پریس لاہور۔ 6314365

پتہ۔ ماہنامہ المرشد، ایسوسیہ سوسائٹی، کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور۔ فون 5180467

سود و زیاں

اس کار گہہ حیات میں سود و زیاں کو پرکھنے کا' جانچنے کا' تولنے ماپنے کا کوئی نہ کوئی معیار ہے' کسوٹی ہے' پیمانہ ہے۔ مادی اشیا کے لئے مادی پیمانے ہیں غیر مادی کے لئے غیر مادی۔ مادی اشیا کے پیمانے بدلتے رہتے ہیں مگر غیر مادی پیمانے غیر متبدل ہیں۔

سود و زیاں وہی نہیں ہے جو مال و زر اور نقد و جنس کی شکل میں ظاہر ہو بلکہ کبھی نقد جان کھو دینا عین نفع بخش سودا ہوتا ہے اور مال و متاع ہار دینا ایک کامیاب تجارت۔ سود و زیاں وہی نہیں ہے جس کا تعلق حیات عارضی سے ہے اصل سود و زیاں وہ ہے جو مابعد حیات ظاہر ہونے والا ہے۔

موہوم فائدوں کے لالچ نے ہمیں انبیاء کی سیدھی راہوں سے یوں بھٹکایا ہے کہ ہم ائمۃ الکفر (کفر کے اماموں) کے شانہ بشانہ چلنے میں فخر محسوس کرتے ہیں اور گرسنہ نگاہی نے یوں بزدل کر دیا ہے کہ "رازق" سے زیادہ "بھوک" سے خوف کھاتے ہیں اور یہ بھول جاتے ہیں کہ ہمارا بھی کوئی پالنے والا ہے۔ ماو شما کا ذکر ہی کیا نان و نفقہ کی ذمہ دار حکومتیں "سبز ستارہ" اور "چابی کے نشان" کی راہ دکھاتی ہیں اور مورتیاں پوجنے والے قاتلوں سے فراخی' رزق کے لئے "اعلان لاہور" پر دستخط کرتی ہیں تاکہ تجارت کی نئی راہیں کھلیں خواہ شہدا کی خبریں پھلانگ کر ہی جانا پڑے۔

ایمان کی یہ تہی دامنی سود و زیاں کے معیار بدل دیتی ہے۔ اور معیار بدل جائیں تو اعمال بدل جاتے ہیں اور خلافت راشدہ کی دعوے دار حکومتیں سود کو برقرار رکھنے کو سودمند گردانتی ہیں اور اللہ کے نظام سے بغاوت کرتے وقت اپنی حیثیت بھول جاتی ہیں۔ اپنی حیثیت کا ادراک نہ ہو تو اللہ کی عظمت کوئی کیسے سمجھ سکتا ہے۔ جسے اللہ کے سامنے جوابدہی کی فکر نہ ہو۔ روز محشر کی رسوائی کا غم نہ ہو اسے عوام سے کئے گئے وعدوں کا کیا پاس ہو گا۔

جھوٹے وعدوں اور طفل تسلیوں پر اقتدار حاصل کرنے والوں نے نصف صدی سے مخلوق خدا پر جمہوریت کا ظالمانہ اور غاصبانہ نظام جاری رکھا ہوا ہے جس میں تمام حقوق صرف اہل اقتدار کے لئے مختص ہوتے ہیں اور عوام صرف یرغمالی بن کر رہ جاتے ہیں۔ اسی جمہوریت کا ثمر ہے کہ مذہبی جماعتیں جنہیں صرف ایک "حزب اللہ" کی شکل میں اللہ کی حاکمیت قائم کرنے کے لئے واحد جماعت ہونا چاہئے تھا' اپنے اپنے مسلک کی برتری کے لئے باہم دست و گریباں ہیں اور ذاتی اور گروہی مفادات کے لئے تقسیم در تقسیم ہوتے ہوتے مزید بے اثر اور بے توقیر ہو گئی ہیں اور کافرانہ نظام کی طوالت کا سبب بنی ہوئی ہیں۔ ہر ایک کا سود و زیاں کا اپنا اپنا معیار ہے۔ ہر ایک کا مطمع نظر اقتدار اور صرف اقتدار ہے اور اقتدار کی بندر بانٹ میں شرکت کے لئے کوئی بھی حد کراس کرنے کے لئے ہر وقت تیار ہیں۔

جو اللہ کے قائم کئے ہوئے معیار کو درخور اعتناء نہیں سمجھتا ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ بڑے بڑے طرے' پگڑیوں اور ٹوپیوں والے نام نہاد دین کے ٹھیکیدار ذاتی مفادات کے لئے جس عاجزی' بے کسی اور درماندگی سے حاملین اقتدار کے چرنوں میں خمیدہ ہیں' دیکھنے کی چیز ہیں۔ عبرت کا نشان ہیں۔ جن کی وضع قطع' عمر رسیدگی اور پستی کو دیکھ کر کبھی ان پر ترس آتا ہے اور کبھی غصہ۔

جنہیں میر کارواں ہونا تھا وہ اقتدار کے گداگر بن گئے ہیں۔ جب "یک جہتی" خود "بے جہت" ہو جائے تو دانش وروں سے "دانش" ہجرت کر جاتی ہے۔ میرے اور آپ کے سوچنے کی بات تو یہ ہے کہ موجودہ نظام بد کی دیواریں تو اپنی بودی بنیادوں کی وجہ سے خود ہی اپنے آپ پر گر ہی جائیں گی اور بے دیوار چھت کو سہارا دینے والے اس کے نیچے آکر دب ہی جائیں گے مگر میرا اور آپ کا اس میں کیا حصہ ہو گا۔ محض تماشائی کا! کیا تماشائیوں کو کبھی کوئی صلہ ملا ہے؟۔

سرفراز حسین

بارش کا پہلا قطرہ

امیر محمد اکرم اعوان

ہمارا جمع ہونا اور مل بیٹھنا کسی تقریب کے لئے نہیں ہوتا۔ اس کا مقصد دراصل اپنا تجزیہ کرنا' محاسبہ کرنا' اور اپنی ترجیحات طے کرنا ہوتا ہے۔

آج ہم جس حال سے گزر رہے ہیں اس میں بے پناہ مصیبتیں ہیں بیروزگاری ہے' بداخلاقی ہے' بدنظمی ہے' عدل وانصاف کی نایابی ہے یا بدعملی ہے لیکن دراصل سب سے بڑی مصیبت بے یقینی ہے مصائب تو زندگی کا حصہ ہوتے ہیں۔ افراد پر انفرادی حیثیت سے آتے ہیں۔ معاشرے اور اقوام پر اجتماعی مصائب آتے ہیں۔ لیکن اگر یقین کی دولت نصیب ہو۔ ایمان پختہ ہو۔ آدمی اپنے نظریات پر قائم ہو تو یہ چیزیں گزر جاتی ہیں اوو وہ حالات کو اپنے حق میں ڈھال لیتا ہے۔ ایک فوجی اصطلاح ہے مورال۔ فوجیوں کو جہاں اسلحہ دیا جاتا ہے۔ ایمونیشن دیا جاتا ہے۔ جنگ کے طریقے سکھائے جاتے ہیں۔ ورزش کروائی جاتی ہے وہاں مورال کی اہمیت بھی سکھائی جاتی ہے کہ میدان کار زار میں مقابلہ کرنے کا کچھ حوصلہ اور ہمت بھی پیدا ہو۔ ہماری اس وقت کی سب سے بڑی مصیبت یہ ہے کہ پوری قوم مورال کھو بیٹھی ہے۔ ہر شخص بے یقینی کا شکار ہے۔ تنگی' بیماری' مشکل پہلے بھی آجاتی تھی۔ لوگ اس سے لڑتے تھے۔ علاج کرتے تھے۔ ایک دوسرے کے پاس جاتے تھے۔ اب یہاں کسی کو کچھ ہو جائے تو وہ سر پکڑ کر بیٹھ جاتا ہے کہ اب اس کا کچھ ہو نہیں سکتا۔

اللہ اللہ کی قوت' ذکر الٰہی کی قوت' ہمارا ذات باری سے' حضورؐ سے' صحابہ کرامؓ سے' اولیاء امت سے' آئمہ مجتہدین سے ذاتی رشتہ قائم کر دیتی ہے اور انسان میں یہ شعور بیدار کر دیتی ہے کہ نہ میں تنہا ہوں اور نہ ہی مصائب اور بیماریاں لاعلاج ہیں بلکہ مصائب کا آنا ایک فطری عمل ہے۔ دن تھا رات آئی۔ رات بھی ہمیشہ نہ رہے گی۔ دن طلوع ہو گا اور دن بھی ہمیشہ نہیں رہتا رات آئے گی۔ قوموں کی زندگی میں بھی عروج وزوال کے زیر وبم آتے ہیں۔ لیکن مشکل وقت میں ہر قوم کے پاس کچھ لوگ' سارے نہیں' چند لوگ ایسے ہوتے ہیں جو ڈٹ جاتے ہیں جن میں حوصلہ ہوتا ہے ہمت ہوتی ہے جو مصیبت کا مقابلہ کرنے کا سوچتے ہیں۔ اگر اس طرح کا ایک طبقہ میسر آجائے تو پوری قوم ان کے پیچھے کھڑی ہو جاتی ہے ہر بندہ قیادت تو نہیں کر سکتا لیکن پیچھے ہر بندہ چل سکتا ہے۔

تو میں آپ سے یہ گزارش کرنا چاہوں گا کہ آپ اس اللہ اللہ کی قوت کو کوئی شعبدہ بازی نہ سمجھئے' کوئی وقتی مشغلہ نہ سمجھئے' اسے صرف آخرت کی بخششوں کا سبب بھی نہ جانئے۔ اسے قوت عمل کے طور پر سمجھئے کہ آخرت کی بخشش دنیا میں کئے گئے اعمال وافعال پر ہوگی۔ اللہ اللہ اور ذکر الٰہی کے نتیجے میں اللہ کے ساتھ تعلق کا حاصل ہو جانا وہ قوت عمل ہے جو صحابہ کرامؓ کو نصیب ہوئی۔ وہ کتنا مشکل معاشرہ تھا اور کتنا تند و تیز دور تھا اور پوری انسانیت کس طرح تباہی کی طرف جارہی تھی ان اللہ کے بندوں نے زمانے کا رخ اور تاریخ کا دھارا بدل دیا چند خانہ بدوش عرب لوگ ہی تھے۔ کہاں تھی قوم؟ کہاں تھی افرادی قوت کہاں تھی سیاسی قوت کہاں تھے وسائل؟ کچھ بھی نہیں تھا لیکن یقین کی دولت پختہ تھی اور اللہ سے تعلق ایسا تھا کہ ہر وقت اللہ کو اپنے ساتھ دیکھتے تھے۔ انہیں نہ قیصر جھکا سکا نہ کسریٰ کی قوت مرعوب کر سکی نہ صحراؤں کی وسعتیں ان کی راہ روک سکیں نہ سمندر کی گہرائیوں نے ان کا راستہ روکا اور حق تو یہ ہے کہ عرب کے صحراؤں میں پلنے والے ہمالیہ تک عبور کر کے چین تک اللہ کا پیغام لے گئے۔ بروغل سے مجاہدین اسلام گذرے وہ درہ اٹھارہ ہزار فٹ کی بلندی پر تھا۔ کہاں صحرا نشین اور کہاں یہ سنگلاخ چٹانیں اور صدیوں سے جمی ہوئی برف کی تہیں جن پر ہر سال نئی برف جمتی ہے اور وہ پگھلتی نہیں اور ان میں اگر دراڑ آجائے تو چار چار فٹ نیچے تک پھٹ جاتی ہے۔ آج لوگوں کو ہم نے اس درہ سے گرمیوں میں گزرتے دیکھا ہے۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ جب کوئی گزرتا ہے تو اپنے سامنے دو چار مویشی لگا لیتا ہے کہ اگر یہ برف ٹوٹنے والی ہوگی تو جانوروں کے بوجھ سے ٹوٹ جائے گی۔ تو عرب کے موسموں کے پروردہ یہاں یخ بستہ موسموں اور مادی رکاوٹوں کو اسی دولت یقین کے ساتھ عبور کر گئے جو انہیں صحبت نبویؐ' برکات نبویؐ' تو جہات محمدؐ نے' اللہ کے ساتھ ہونے کے یقین کی صورت میں عطا کی تھی۔

تاریخ شاہد ہے کہ ہسپانیہ کے ساحل پر جب مسلمان اترے۔ تو طارق بن زیادؒ نے حکم دیا کہ تمام جہاز جلا دیئے جائیں اور مسلمانوں کو یقین تھا کہ اب ہمیں ہر حالت میں فتح چاہئے کہ واپسی کا راستہ باقی نہیں بچا تھا۔ تو اس وقت کے عالم دین اکابرین نے طارقؒ سے کہا کہ ہم ملک سے دور ہیں واپسی کے جہاز آپ نے جلا دیئے یہ تو ترک سبب ہے جو شرعاً" جائز نہیں۔ انہوں نے فرمایا یہی تو فلسفہ ہے ہم وطن سے دور نہیں ہم تو اپنے ملک میں ہیں۔

ہر ملک ملک ما است کہ' ملک خدائے ما است

یہ وہ یقین تھا کہ ہم اپنے گھر میں ہیں۔ پردیسی کب ہیں اور آج ہم اس بے یقینی میں پڑ کر اپنی ساری

قوتیں ضائع کر رہے ہیں۔ ہر طرف سے یا مشورے یا نصیحتیں یا اگر کوئی نصیحت کرنے سے آگے نکل جائے تو پھر وہ وعدہ کرے گا۔ یہ کریں گے وہ کریں گے کوئی کرنے والا نہیں ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ کوئی کرنے والا بھی ہو۔

ہمارا مقصد اقتدار نہیں ہے۔ شہرت نہیں ہے۔ بزرگی نہیں ہے۔ مقصد اللہ کی زمین پر بحیثیت مسلمان اپنے حصے کا کام کرنا ہے۔ بحیثیت فرد ہم پر اللہ اور اللہ کے حبیبؐ کی طرف سے جو فرض عائد ہوتے ہیں جو ہمارے ذمے ہیں ہم وہ کر گزریں۔ ایک نظم تھی "بارش کا پہلا قطرہ" جس کا بنیادی تصور یہ تھا کہ بادل اڈ اڈ کر آتے تھے اور کوئی قطرہ گرتا نہیں تھا تو ایک قطرے نے باقی قطروں سے کہا کہ کیا وجہ ہے کہ کوئی قطرہ ٹپکنے کی جرات نہیں کرتا۔ تو ہر قطرے نے کہا کہ ہم سوائے اس کے کہ اپنی جان کھو دیں اس کے سوا ہمارے ٹپکنے سے کچھ ہونے کا نہیں۔ یہ تو پورا بادل برسے تب بات بنے تو اس قطرے نے کہا اچھا میں تو جاتا ہوں۔ کچھ بنے یا نہ بنے میں قطرہ ابر ہوں اور پیاسی زمین پر برسنا میری ذمہ داری ہے۔ جب ایک ٹپکا تو اس کی دیکھا دیکھی دوسرے کو بھی خیال آیا یوں دو برسے پھر چار پھر دس پھر اتنی بارش ہوئی کہ جھل تھل ہو گیا۔

کامیاب ہے وہ شخص جو بارش کا قطرہ بنے۔ نتائج اللہ کریم کے ہاتھ میں ہیں۔ آج ہم چودہ کروڑ مسلمان ہیں۔ چودہ کروڑ اہل پاکستان ہیں درندگی وحشت' بربریت' ظلم' رشوت' چور بازاری' بددیانتی' بے ایمانی اور بداخلاقی کی انتہا ہے کیا چودہ کروڑ میں کوئی ایسا نہیں جو اس ظلم کے خلاف آواز بھی اٹھا سکے۔ آخر کسی کو تو یہ کرنا ہو گا۔ اقوام عالم تو تماشہ دیکھ رہی ہیں۔ ہندو کو کیا تکلیف ہے۔ عیسائی کو کیا تکلیف ہے یہ تو سب خوش ہو رہے ہیں کہ ان کے ساتھ یہی ہونا چاہئے۔ یہ تو میری اور آپ کی ذمہ داری ہے کہ ہم اللہ کی رضا کے لئے نبیؐ سے وفا کے لئے اپنے دین کی پاسداری کے لئے حق کی آواز بلند کریں اور کم از کم اپنے کردار کی حد تک تو ہر آدمی اپنی اصلاح کر سکتا ہے۔ حصول زر کے لئے جھوٹ مت بولیں لالچ کے لئے دھوکہ نہ دیں' دوسرے کا حق چھیننے کی کوشش نہ کریں' درگزر سے کام لیں' اگر کوئی کافر ملے تو اس کے انسانی حقوق تو ضرور موجود ہیں۔ انسانی احترام تو اس کا بھی ہے' اس کی جان مال کی حفاظت مسلمانوں کے ملک میں مسلمانوں کی ذمہ داری ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں سے ناراض ہو کر ایک دوسرے کی جان لینا تو آسان ہے بڑی بڑی باتوں کو برداشت کر کے درگزر کرنا مشکل ہے۔

تو اللہ اللہ کرنے کی برکات کو آپ صرف اس حد تک نہ رکھیں کہ میرے مراقبات کتنے ہیں یا مشاہدات کس کس کو ہوئے ہیں یا کس کس کو برزخ نظر آتا ہے۔ یہ سب ثانوی حیثیت کی باتیں ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ فرد کی ذات میں کیا تبدیلی آئی۔ انسان ایسی مشین نہیں ہے جس کے پرزے بدلے جائیں بالخصوص انسان کے اندر کا انسان جسے آپ قلب اور روح جیسے ناموں سے جانتے ہیں جو فیصلے کرتا ہے اس کے کل پرزے تبدیل نہیں ہوتے صرف پالش ہوتے ہیں اور حضورؐ کے ارشاد کے مطابق ان کی پالش صرف ایک ہے اور وہ ہے ذکر اللہ۔ لکل شئی صقالته وصقالته القلوب ذکر اللہ۔ اوکما قال رسول اللہؐ یعنی ہر چیز کی پالش ہے اور دلوں کی پالش ہے ذکر اللہ۔ تو آج سب سے زیادہ ضرورت ہمیں اس بات کی ہے کہ ہم یہ محاسبہ کریں کہ ذکر الٰہی سے میری ذات میں کیا تبدیلی آئی۔ میں نے اپنے کردار کو کس قدر مثبت سانچے میں ڈھالا اور دوسری بات جو نہایت اہم ہے وہ یہ کہ میری ذات سے کسی دوسرے کو کیا فائدہ پہنچا۔ میری کوشش سے میری محنت سے کسی کو انصاف ملا' کسی کی جان بچی' کسی کی آبرو بچی یا میں ملک' قوم' معاشرے' اہل وطن کے کسی طرح کام آیا۔

آج میں تقریر نہیں کر رہا محاسبے کی بات کر رہا ہوں۔ چھ ستمبر کے حوالے سے آج میں ایک جگہ مدعو تھا میں نے وہاں بھی یہی بات کہی کہ آپ چھ ستمبر کی یاد منا رہے ہیں۔ ہم نے تو اپنے قریبی عزیزوں کے لاشے میدان کارزار سے اٹھائے ہیں۔ ہمیں وہ بھی یاد ہیں جن کی زبان بنگالی تھی جن کے قد کاٹھ مختلف تھے کیا وہ ستمبر میں ہمارے ساتھ جو انمردی سے شہید نہیں ہوئے۔ کیا بنگالی افسروں اور جوانوں نے جانیں نہیں دیں۔ کہاں گئے وہ لوگ؟ کیوں کھو گئے؟ ہم کس پاکستان کی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں۔ آپ کے پاس جو پاکستان ہے یہ 1971 میں بنا اور جسے بنے پچاس سال ہوئے وہ پاکستان ٹوٹ چکا۔ وہ تو دو حصوں پر مشتمل تھا۔ مشرقی پاکستان اور مغربی پاکستان۔ اس میں دس کروڑ مسلمان تھے ان میں وزیراعظم بھی تھے۔ گورنر جنرل بھی تھے اور ان میں مثالی لوگ بھی تھے۔ دانشور' علماء' اہل اللہ' سیاستدان' آفیسرز' فوجی' سویلین' بیوروکریٹس وہ سارا کچھ کہاں گیا؟ اب آپ کہتے ہیں سب کو بھول جاؤ۔ ڈھول بجاؤ۔ آتش بازی چلاؤ اور جشن مناؤ تو بات سمجھ نہیں آتی جبکہ یہاں دنیا والے اپنے پچاس سال لالچ میں چھینا جھپٹی میں گزارتے رہے۔ حکومتیں بدلتی رہیں۔ لوگ آتے جاتے رہے۔ قوم لٹتی رہی۔ حالات خراب سے خراب تر ہوتے رہے۔ ملک ٹوٹ گیا لوگ آدھے پر بھی عیش کرتے رہے۔ کر رہے ہیں۔ میں ایسے سیاستدانوں کو جانتا ہوں جو کہتے ہیں اگر اور ٹوٹ گیا تو اپنا صوبہ تو اپنے پاس ہے ہی اس میں تو اپنی ٹکر کا کوئی نہیں اس میں تو ہماری حکومت رہے گی۔

تو اب اللہ اللہ کا ذکر ان حوالوں سے کیجئے کہ ہم بحیثیت مسلمان ایک چھوٹا سا قطرہ سہی مگر برس جائیں شاید اس ایک قطرے کی دیکھا دیکھی اور کتنے قطرے برسیں اور ایسا ہی ہو گا میرا تجزیہ یہ ہے کہ جس قدر حالات تبدیلی کے خلاف نظر آتے ہیں اور جس قدر مادی اسباب مثبت تبدیلی کے خلاف نظر آتے ہیں اس سے زیادہ مثبت تبدیلی قریب تر ہے۔ اللہ قادر ہے کسی نہ کسی کو توفیق دے گا انشاء اللہ العزیز یہ ملک قائم رہے گا۔ یہ بڑھے گا اس کی سرحدیں وسیع ہونگی اور یہی ملک پاکستان روئے زمین

اسلام کی بنیاد بنے گا' اسلامی انقلاب کی بنیاد بنے
گا۔ اسلامی عدل وانصاف کی بنیاد بنے گا اور اس دور
کی بھٹکتی ہوئی انسانیت۔ زخمی اور دکھی انسانیت اس
مثال کو دیکھ کر اپنے اپنے وطن میں ازخود انقلاب برپا
کرے گی۔

مغربی طاقتیں کس طرح اسلام کے خلاف لڑ
رہی ہیں۔ پچھلے دنوں بین الاقوامی شہرت کے ایک
امریکی کھلاڑی کو ایڈز ہو گیا۔ بے شمار ڈاکٹروں نے
اس کا علاج کیا جب کوئی فائدہ نہ ہوا تو ہمارے
امریکہ کے ساتھی نے اسے یہاں سے منگوا کر کچھ
نقش دیئے کہ اللہ اللہ کرو اور ساتھ یہ نقش پانی میں
حل کر کے پیو۔ اللہ کی شان وہ ٹھیک ہو گیا۔ اب یہ
بات ان کے لئے دھماکے سے کم نہ تھی کہ ان کی
ساری سائنسی تحقیق کے برخلاف اللہ نے اپنی
قدرت سے اس نقش کے ذریعے شفا دے دی۔ یہ
بات عوام تک پہنچانے کے لئے ٹی وی کے ایک
چینل نے Live Talk Show رکھا۔ ہمارے ساتھی
نے مجھ سے رابطہ کیا میں نے انہیں کہا کہ ہر مریض کو
اکیس دن پانی پلاؤ لیکن اس شرط کے ساتھ کہ جب
بھی پانی پئیں اسی پانی میں سے پئیں اللہ کریم مہربانی
فرمائیں گے۔

اس بات کا یہودی لابی نے اتنا نوٹس لیا کہ وہ
چینل جس کو کرائے پر دے رکھا تھا اس سے واپس
لے لیا کہ تم نے اس پر یہ بات کیوں کی۔ یعنی ان کے
اپنے ہم وطنوں کو شفا نہ ہو ان کا نقصان ہو جائے مگر
کسی مسلمان کی بحیثیت مسلمان۔ عالم' سکالر یا ولی
اللہ شہرت ہو یہ انہیں منظور نہیں۔ یہودی اپنے
کافرانہ تصورات کو قائم رکھنے کے لئے کتنی بڑی
قربانی دے رہا ہے تو ہم نفاذ اسلام کے لئے کیا کر رہے
ہیں۔ ہمیں تو عجیب طرح کے دھوکے دیئے جا رہے
ہیں۔ دینی سیاسی جماعتوں سے امیدیں تھیں اور یہ
کریڈٹ بھی ضیاء الحق کو جاتا ہے کہ اس نے مولوی
کو اسلام آباد' اسمبلی اور سینٹ میں لا بٹھایا۔ لیکن
ساری دینی جماعتیں اپنی ساکھ کھو بیٹھیں۔

ایک بات یاد رہے یہ دنیا عالم اسباب ہے۔

ہمیں یہ محاسبہ کرنا ہے کہ ہم نے اللہ کے جس
بندے کا (اللہ کی اس پر کروڑوں رحمتیں ہوں)
دامن تھاما ہے ہم میں سے تو کوئی شخص جماعت کا پیر
بننے کے لئے یا عہدہ لینے یا پیسے کمانے کے لئے نہیں
آیا۔ یہ الگ بات ہے کہ جب جماعتیں وسیع ہوتی
ہیں تو ان میں مفاد پرست بھی آجاتے ہیں۔ مگر مجھے
یاد ہے ہمیں تو اتنا پتہ بھی نہیں ہوتا تھا کہ کس کا عہدہ
کیا ہے کون کہاں ملازمت کرتا ہے؟ کس کا کیا کاروبار
ہے؟ بس یہ پتہ ہوتا تھا کہ یہ اللہ اللہ کرنے والوں کا
ساتھی ہے اور ہمیں ذکر کرنا ہے۔ غرض صرف یہ تھی
کہ اس مادی زندگی میں اس زمین پر بحیثیت مسلمان
ہمیں وہ یقین محکم حاصل ہو کہ ہم اپنا فرض ادا کر
سکیں۔ باقی سب درجات اور ترقیاں اسی پر منحصر
ہیں۔ انسان کو گرمی' سردی' صحت' بیماری' تنگی'
فراخی سارے حالات سے گزرنا پڑتا ہے اور اگر آپ
اس لئے ذکر کر رہے ہیں کہ آپ کو کوئی دنیاوی معاملہ
پیش نہیں آئے گا تو آپ اپنا وقت ضائع کر رہے
ہیں۔ بے شک یہ تکلف چھوڑ دیں۔ اور اگر اللہ کے
لئے کر رہے ہیں تو پھر اللہ کے لئے اللہ اللہ پر زور
لگایئے۔ بیماریوں کو پیچھے رکھ دیجئے اللہ صحت دینے
والا ہے اور آپ کو کیا خبر اسی بیماری میں عافیت ہو اگر
یہ بیماری نہ ہوتی تو جانے اور کونسی مصیبت آجاتی
کیونکہ دوسرا پہلو تو ہم دیکھتے نہیں۔

ایک آدمی کو غربت ہزاروں گناہوں سے
روک دیتی ہے شاید وہی شخص امیر ہوتا تو کتنا فرعون
بن چکا ہوتا۔ اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو کس حال
میں رہنا اس کے حق میں بہتر ہے بعض بیماریاں ہزار
گناہوں سے بچا لیتی ہیں ہم اس کا وہ پہلو بھول جاتے
ہیں۔ آج یہ مرض نہ ہوتا تو نجانے ہم کیا کر
گزرتے۔ زندگی کے ان پہلوؤں پر بھی نظر کرنی
چاہئے۔ ہاں بیماری کا علاج مسنون ہے کریں۔ صحت
کے لئے یہ دعا بھی کریں کہ اے اللہ مجھے صحت دے
کر بھی ان گناہوں سے بچا سکتا ہے جن سے بیماری
بچا رہی ہے۔ تو قادر ہے مجھے صحت بھی دے۔
اطاعت کی توفیق بھی دے۔ استقامت بھی دے۔ یہ
طریقہ صحیح نہیں ہے کہ آپ جتانے بیٹھ جائیں کہ
پانچ سال ہو گئے ذکر کرتے تو میری گزارش یہ ہے کہ
اب وقت آگیا ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں اور کسی
فیصلے پر پہنچیں کہ یہ تبدیلی کہاں سے شروع ہو؟ کیسے
شروع ہو؟ اور کس طرح اس بدامنی کو امن میں'
اس بے یقینی کو یقین میں' اس ظلم کو عدل وانصاف
میں اور اس عدم تحفظ کو احساس تحفظ میں تبدیل کیا
جا سکتا ہے۔

ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہماری تنظیموں اور
مذہبی جماعتوں کو بھی فسادات میں الجھا دیا گیا ہے۔
بڑی محنت' بڑی کوشش' بڑے تانے بانے بنا کر
مساجد' تعلیمی ادارے جو محفوظ تھے حفاظت کا مقام
تھے' جو مسلمان کی آخری پناہ گاہ تھی وہاں بھی
فسادات ہیں۔

اللہ کریم توفیق دیں اور ذکر پر ہم اتنی محنت
کریں کہ واقعی یقین ہو جائے کہ اللہ میرے ساتھ
ہے۔ یہ کہنا آسان ہے اور اپنے آپ سے منوانا
مشکل ہے۔ دوسروں سے منوانا مشکل نہیں آدمی
زور بیاں سے علمی دلائل سے قائل کر سکتا ہے خود
اپنے آپ کو علمی دلائل سے نہیں منوایا جا سکتا۔
قلبی کیفیات سے منوایا جا سکتا ہے اندر کے یقین سے
منوایا جا سکتا ہے۔

ہم ایک دوست کے ساتھ چکوال بیٹھے تھے کہ
پتہ چلا باہر قادیانیوں کا جلسہ ہو رہا ہے میں نے کہا چلو
شاہ جی جلسہ سنتے ہیں کہنے لگا چھوڑو بیٹھو چائے پیتے
ہیں۔ بڑی بے تکلفی سے کہا "سننے دی کہڑی لوڑ
اے یار۔ وچلا ای نئیں من دا کہ مرزا نبی سی"

یعنی کسی دلیل کی ضرورت نہیں کسی مقرر کی
ضرورت نہیں دل ہی نہیں مانتا کہ مرزا نبی ہو سکتا
ہے تو میں اس کی تقریر سننے کیوں جاؤں۔

یہ اصل قوت ہے کہ دل مان جائے کہ واقعی
رب العالمین میرے ساتھ ہے یا واقعی مجھے نبیؐ کی
توجہ نصیب ہوئی' واقعی اہل اللہ کی برکات مجھے نصیب
ہیں تو وہ ایک قطرہ بھی باران رحمت کا سبب بن جاتا
ہے اور بے شمار قطروں کو برسنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

مجاہدہ اور محنت ضروری ہے کسی بھی چیز کو حاصل کرنے کے لئے تو ذکر صرف اجتماعات میں ہی نہیں اپنے روزانہ کے معمولات میں کرنا ہے۔ اگر مغرب کو آپ فارغ نہیں تو عشاء پر کرلیں۔ سونے سے پہلے اپنا وقت ذکر پر لگائیں سحری کو اٹھئے۔ نبیؐ سے کسی نے عرض کیا یارسول اللہ میرے لئے دعا فرمائیں اللہ میرا گھر جنت میں بنائے۔ وہ اس وقت وضو کرانے پر معمور تھے اور سحری کا وضو کروا رہے تھے۔ آپؐ نے فرمایا اگر تمہیں جنت میں گھر بنانے کا شوق ہے تو سحری کی بیداری کو شعار بنالو۔ تہجد کو مت جانے دو۔ یہ باتیں جانے دیجئے کہ مجبوری تھی۔ تھک گیا تھا۔ ہم تھکے ہوئے بھی ہوں تو دنیاوی کام ہو تو اٹھ جاتے ہیں۔ میں نے کاشتکاری بھی کی ہے اب بھی دیکھ بھال کرتا ہوں مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ہم تھک ہار کر شام کو آتے تو تھکاوٹ سے ہڈیاں چٹختی تھیں اس کے باوجود سحری کے وقت اٹھ کر کام پر جانا ہوتا تھا۔ تمام دنیاوی مجبوریوں کے باوجود ڈیوٹی پر جانا ہی پڑتا ہے۔ اسی طرح ذکر کے اوقات میں بھی وہ پابندی پیدا کریں اس میں محنت' خلوص' مشقت سے اپنے لطائف پر خوب کام کریں' قلب پر محنت کریں' سانسوں کو ضائع نہ کریں۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے یہاں اسباب اختیار کرنے ہیں پھر دعا کرنی ہے کہ بار الٰہا! میں محنت کر رہا ہوں تو کرم فرما۔ دنیاوی امور میں ہم اسباب پر کافی محنت کرتے ہیں یہاں بہانے بناتے ہیں۔ سستی' کوتاہی' مزاج کی خرابی کے بہانے بناتے ہیں۔ ان تمام باتوں سے صرف نظر کیجئے اور ڈٹ کر محنت کریں تاکہ قرب الٰہی نصیب ہو اور نحن اقرب الیہ من حبل الورید۔ حال بن جائے اور بندہ جہاں ہو جس حال میں ہو اسے یہ یقین حاصل رہے کہ میں اکیلا نہیں ہوں اللہ میرے ساتھ ہے میں اکیلا نہیں باقی قطرے میرے ساتھ ہیں۔ یہی قطرے برسات کا سبب بنتے ہیں۔ ایسے ہی لوگ انقلاب کی بنیادی اینٹ بنیں گے۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہم کوتاہیوں کے باوجود

بقیہ نمبر ۶۲ پر

نظام کی تبدیلی

نسیم شاہد

وزیراعظم محمد نواز شریف نے ایک مرتبہ پھر اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ موجودہ نظام کو بدلنا چاہتے ہیں' کیونکہ یہ نظام ایک فلاحی اسلامی معاشرے کی تشکیل میں بری طرح ناکام رہا ہے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ کوئی نظام فلاحی شکل اختیار نہیں کر سکتا تاوقتیکہ اس کے بطن میں وہ اجتماعی طاقت پیدا نہیں ہوتی' جو معاشرے کے تمام افراد کی مشترکہ مساعی کا نتیجہ ہوتی ہے - موجود نظام کے بارے میں ایک عام آدمی سے وزیراعظم تک کی رائے یہی ہے کہ یہ گلا سڑا اور استحصالی نظام ہے' جو مسائل پیدا کرتا ہے اور انہیں ختم کرنے پر قدرت نہیں رکھتا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہ ہے کہ موجود نظام طاقت سے محروم ہے اسے چند استحصالی طبقوں نے اپنے باہمی مفادات کے لئے معاشرے کے جسم پر زبردستی مڑھ رکھا ہے۔ جو نظام پٹواری اور تھانیدار کے ستونوں پر استوار ہو' وہ بھلا فلاحی اور اجتماعی مفاد کا حامل کیسے ہو سکتا ہے۔ ایک عام آدمی جب نظام کی تبدیلی کا ذکر کرتا ہے تو اس میں بے بسی چھپی ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہی خواہش ملک کا چیف ایگزیکٹو کرے تو اس کی آواز میں ایک عزم اور یقین ہونا چاہئے وزیراعظم محمد نواز شریف اگر واقعی اس بدبودار استحصالی اور بے مقصد نظام کو بدلنے کی خواہش رکھتے ہیں' تو انہیں اس نیک کام میں دیر نہیں کرنی چاہئے ممکن ہے اس کام میں انہیں اپنے وزیروں' مشیروں اور سیکرٹریوں کی مخالفت کا سامنا کرنا پڑے' مگر انہیں اس بات پر مکمل یقین رکھنا چاہئے کہ پوری قوم اس عمل میں ان کے شانہ بشانہ کھڑی ہوگی اور انہیں صحیح معنوں میں اپنا نجات دہندہ قرار دے گی۔

وزیراعظم محمد نواز شریف اگر چاہیں تو نظام کی تبدیل کی بنیاد حضور اکرم ﷺ کے اس ارشاد مبارک سے رکھ سکتے ہیں کہ کسی عہدے پر ممکن کرتے وقت سب سے بہتر آدمی کو منتخب کیا جائے۔ یہ بات کسی سے ڈھکی چھپی نہیں کہ نظام کی خرابیاں اپنی جگہ لیکن ان خرابیوں کو تناور درخت بنانے میں سب سے اہم کردار اقربا پروری اور اہم عہدوں پر نااہل افراد کے تقرر نے ادا کیا ہے۔ بلدیاتی انتخابات میں جس طرح اہل افراد کو نظر انداز کرتے ہوئے بیٹوں' بیٹیوں' بھانجوں' بھتیجوں اور بھائیوں کو بلدیاتی اداروں کا سربراہ بنایا گیا وہ بذات خود اس بات کا اظہار ہے کہ حکومتی عمال تبدیلی کے بجائے سٹیٹس کو برقرار رکھنا چاہتے ہیں نظام میں تبدیلی اس وقت تک ممکن نہیں جب تک سیاسی اور انتظامی عہدوں پر باصلاحیت' اہل اور دیانتدار لوگوں کو آگے آنے کا موقع نہیں دیا جاتا۔ پھر یہ بھی ہے کہ اصلاح کا عمل فراز سے نشیب کی طرف آتا ہے -وزیراعظم اگر نظام کو بدلنا چاہتے ہیں تو انہیں اس خلیج کو بھی پاٹنا ہوگا' جو چھوٹے بڑے حکمرانوں اور رعایا کے درمیان حائل ہے۔ رعایا اونچی آواز میں چھینک بھی مارے تو قانون کی گرفت میں آجاتی ہے لیکن انتظامی اور سیاسی عہدوں پر براجمان یہ چھوٹے بڑے حکمران اینٹی کرپشن' ایف آئی اے' احتساب بیورو' خدمت کمیٹیوں' پبلک اکاؤنٹس کمیٹی اور ایسے ہی ان گنت اداروں کے باوجود دندناتے پھرتے ہیں اور قانون ان کا کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتا۔

نظام تبدیل کرنے کی خواہش اپنی جگہ' مگر یہ خواہش اس وقت تک پوری نہیں ہو سکتی' جب تک راستے میں حائل مفادات کی اس فصیل کو نہیں گرایا جاتا' جو طبقہ اشرافیہ نے معاشرے کے گرد تعمیر کر رکھی ہے اور ایک دوسرے کے مفادات کی نگہبانی کر رہے ہیں وزیراعظم کو یہ رائے بھی اسی طبقہ اشرافیہ نے دی

بقیہ نمبر ۵۵ پر

ہماری بیٹیاں

آسیہ اعوان

موت ہے لفظ بے معنی
جس کو مارا حیات نے مارا

ہم سب ایک کٹھن دور سے گزر رہے ہیں جس میں زندگی ایک بوجھ بن گئی ہے۔ جیسے ناتواں جسموں پر بارگراں ہو۔ واقعی زندگی زندہ دلی کا نام ہے۔ اور ہم سب اجتماعی طور پر مردہ دلی کا شکار ہیں بلکہ ہمیں تو اس کا بھی ادراک نہیں کہ ہم پہ کونسا عذاب آن پڑا ہے۔

ہماری اس حالت زار کی بے شمار وجوہ ہیں۔ ایک ہی وقت میں ہم اپنی ذات میں بے بس' مجبور ومظلوم ہیں اور دوسروں کے لئے بے حس' ظالم اور بے رحم۔

وہی حالات جو ہمیں گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیتے ہیں ان میں کسی دوسرے اپنے جیسے کو گرفتار بلا دیکھ کر مدد کا خیال آنا تو درکنار ہمدردی کا جذبہ بھی دل میں کروٹ نہیں لیتا۔

یہی بے حسی اس مردہ دلی کی سب سے بڑی علامت ہے اس کے اور بھی کئی اسباب ہیں ان سب اسباب اور ان کے نتائج واثرات پھر ان اثرات کے نتیجے میں جنم لینے والے نت نئے مسائل غرض ان سب کا احاطہ ایک ضخیم کتاب کا طلب گار ہے یہ چند سطروں میں سمٹنے والا افسانچہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

پھر ہم سب ان مسائل میں سے گزر رہے ہیں اور ان کے اثرات کو بھگت رہے ہیں ایسے میں کسی کے بتانے یا سمجھانے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں رہتی۔

جو بات غور طلب اور قابل ذکر ہے وہ ان برائیوں کی نشاندہی ہے جنہیں ہم خرابی کی فہرست میں شامل ہی نہیں کرتے اور وہ خود میں ایک ناسور بن چکی ہیں ایسی ہی ایک معاشرتی اور اجتماعی خرابی کے بارے میں بات کرتے ہوئے میں قارئین کی توجہ چاہوں گی۔

اس معاشرے میں جہاں ہر کوئی مظلوم ہے اور ہر کوئی ظالم وہیں پر ایک مخلوق مظلوم تر ہے جیسے دوزخیوں کے مدارج میں ایک اسفلا سافلین ہوتے ہیں ایسے ہی ہماری بیٹیاں ہیں۔

جو اولاً" تخلیق کے اعتبار سے ہی کمزور ہوتی ہیں پھر موجودہ معاشرہ ان پر راہ حیات کو تنگ کرتا جاتا ہے۔ جوں جوں وہ بڑی ہوتی جاتی ہیں توں توں ان کے لئے زندگی کی خوشیوں کی' آزادی کی' تعلیم کی اور میدان عمل میں کامیابی کی شاہراہیں چھوٹی ہوتی جاتی ہیں۔

ان میں سے بہت سی مشکلات کا ہمیں اندازہ ہے۔ ان کے کئی مسائل ہم آئے روز زیر بحث لاتے ہیں۔ لڑکیوں کے عدم تحفظ وتقدس کے اعتبار سے یا علمی وعملی مواقع کی قلت کے اعتبار سے' بسوں اور ویگنوں میں رونما ہونے والے باعث تحقیر واقعات جن کے شیشوں پر "اللہ اکبر" کے سٹکر چسپاں ہوتے ہیں اور گلیوں اور شاہراہوں میں جنم لینے والے باعث شرم حالات جن کے ہر موڑ پہ مساجد کے مینار استادہ ہوتے ہیں اور جہاں یہ سب کچھ ہوتا دیکھ کر چپ رہنے والے قائم الیل اور صائم الدہر غازی اپنی پارسائیاں سمیٹے صبح شام جمع ہوتے ہیں یہ بھول کر کے کہ ان کے گھروں میں بھی بیٹیاں ہیں جنہیں اسی معاشرے میں زندہ رہنا ہے۔

یہ سب تو وہ مسائل ہیں جنہیں ہم جانتے ہیں اور مسئلہ سمجھتے ہیں بے شک حل کی تلاش تک کوئی نہیں جاتا لیکن چلو اعتراف تو کیا جاتا ہے۔

جس ظلم کی نشاندہی ضروری ہے وہ ہم خود اپنی بیٹیوں پر کرتے ہیں ایک ایسی زیادتی جو والدین خود اپنی بیٹیوں پہ روا رکھتے ہیں اور اسے زیادتی نہیں گردانا جاتا۔ اب تو یہ ایک رسم سے بڑھ کر ہماری روزمرہ زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔

میری مراد بیٹیوں کا رشتہ طے کرنے کے طریقے سے ہے۔

ہمارے معاشرے کا عام وطیرہ کچھ یوں ہے کہ جونہی بچے سکول سے نکل کر کالج کی دہلیز پر قدم رکھتے ہیں تو بیٹیاں ماؤں کی نظروں میں کھٹکنے لگتی ہیں اور بیٹیوں کے لئے سو سو ارمان ان کے دلوں میں مچلنے لگتے ہیں۔

خواتین کی تو زندگی کا محور اور گفتگو کا موضوع ہی یہ رہ جاتا ہے یوں جیسے دنیا سکڑ سمٹ کر اس ایک نقطے تک محدود ہو گئی ہے۔ تمام تر توجہ اس بات پہ مرتکز ہو جاتی ہے کہ کس طرح بیٹی کا فریضہ ادا ہو جائے اور بیٹے کا گھر آباد ہو جائے۔

یہاں تک تو خیر اس بات میں کوئی قباحت بھی نہیں ہے۔ کہ والدین اس بات کی فکر نہیں کریں گے تو اور کون کریگا؟ وہ نہیں سوچیں گے تو اور کسے سوچنا ہے۔

اس کے بعد عملی صورت کا مرحلہ آتا ہے اور سو سو جتن اور حیلے کئے جاتے ہیں۔ لڑکے والوں کا واحد اور محبوب مشغلہ لڑکیاں تلاش کرنا رہ جاتا ہے۔ کہیں کسی بچی کو دیکھا کسی کا نام سنا تو جھٹ پیغام بھجوا دیا کہ "ہم لڑکی دیکھنے آرہے ہیں"۔

بات طے پائے نہ پائے۔ لڑکی پسند آئے یا نہ آئے۔ یہ بعد کی بات ہے ایک دفعہ تو لڑکی کے گھر والوں کی سرگرمیاں عروج کو پہنچ جاتی ہیں۔ سارا گھر چمکایا جاتا ہے سو سو امیدیں وابستہ کی جاتی ہیں ہزار اہتمام ہوتا ہے۔ کئی طرح کے لوازمات اکٹھے کئے جاتے ہیں لڑکی کو تیار کیا جاتا ہے۔ اور صرف سجایا سنوارا ہی نہیں جاتا ذہنی طور پر بھی تیار کیا جاتا ہے۔

پھر مہمان آتے ہیں۔

ہمارے سکول میں ایک دفعہ ایک تقریب میں مہمانوں کو خوش آمدید کہنے کے لئے ایک شعر لکھوایا گیا تھا۔

صبا مہمان جو آنے والے ہیں
کلیاں نہ بچھانا راہوں میں ہم پلکیں بچھانے والے ہیں

بس سمجھئے اس کی عملی تصویر دیکھنے کو مل جاتی ہے۔ مہمانوں کے سامنے گھر بھر بچھا جا رہا ہوتا ہے۔

آنے والے مہمان گھر والوں سے پہلے گھر کا جائزہ لیتے ہیں۔ رسمی سی گفتگو ہوتی ہے پھر لڑکی چائے لے کر آتی ہے۔ مہمان خواتین کارواں تبصرہ جاری رہتا ہے۔ پہلے گھر پھر گھر والوں اور آخر میں لڑکی کے متعلق اپنے نیک خیالات پہ روشنی ڈالتی رہتی ہیں۔ "ماشاء اللہ بچی تو لاکھوں میں ایک ہے۔ سگھڑ اور سلیقہ مند ہے" وغیرہ وغیرہ حالانکہ اتنی مختصر سی ملاقات میں کوئی بھی اتنی جلدی اور مفصل رائے قائم نہیں کر سکتا۔ لیکن Its the part of game لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں کی جان پہ بنی ہوتی ہے اور مہمان کسی جج کی طرح کوئی بھی فیصلہ کرنے اور رائے قائم کرنے پہ کلی طور پر خودمختار ہوتے ہیں۔

یہ کسی ڈرامے کے سین کی بات نہیں ہو رہی یہ حقیقت ہے بلکہ آج کل تو یہی دستور زمانہ ہے۔

ظلم ہے تو صرف اتنا کہ جسے پیش کیا جا رہا ہے یا جسے مہمان اپنے معیار یا انداز سے پرکھ رہا ہے وہ کوئی ڈیکوریشن پیس نہیں جیتی جاگتی' سوچتی اور سمجھتی لڑکی ہے جو سب کچھ محسوس کر سکتی ہے جس کے جسم میں جان بھی ہے اور اس دوران اس کی جان پہ کیا گزرتی ہے کوئی پرواہ نہیں کرتا۔

رشتہ طے کرنے کا یہ طریقہ کار کیونکر ہے؟ اس پر بات کرتے ہیں اور یہ بھی کہ اگر یہ طریقہ غلط ہے تو درست کونسا ہے؟ اور اس کا متبادل کیا ہو سکتا ہے۔

جی ہاں یہ ظلم ہے اس بچی کے ساتھ جسے اس پل صراط پہ آئے دن چلنا پڑتا ہے۔ کچھ خبر نہیں کہ بیچ راہ گر پڑے یا پار اتر پائے گی۔

یہ تمام صورت حال اگر تصور کی جائے تو شائد اس کی حقیقت واضح ہو سکے۔

کسی رشتہ وار' ملنے والے' رشتہ کرانے والی خاتون کے ذریعے جب لڑکے والے پیغام بھیجتے ہیں تو بچی کو بھی بتایا جاتا ہے۔ اس کی آرزو' سوچ اور امید کیا ہے یہ الگ بات رہی یہ تو صرف وہ جانتی ہے اور محسوس کر سکتی ہے لیکن جو کچھ بظاہر ہو رہا ہے وہ تو سب کے سامنے کی بات ہے۔

باپ' بھائی' ماں سب اپنے اپنے حصے میں آنے والی تیاریوں میں مصروف ہوتے ہیں۔ بچی یہ جانتی ہے یہ سب تیاریاں کس سلسلے میں ہیں کون آرہا ہے؟ کیوں آرہا ہے؟ اور یہی بات باقی سب گھر والوں کے بھی علم میں ہوتی ہے اور بہ یک وقت طرفین کے علم میں یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ اس کا علم سب کو ہے بشمول لڑکی کے۔

تو کیا یہ سچوایشن بچی کے لئے مشکل نہیں ہوگی کہ وہ سب کے بیچ اپنی نارمل روٹین کو جاری رکھے۔

پھر یہی سچوایشن تب مزید کٹھن ہو جاتی ہے جب اس تمام تر ادراک کے ساتھ اپنے سب گھر والوں باپ' چچا' بھائی وغیرہ کے سامنے اسے مہمانوں کے سامنے پیش ہونا پڑتا ہے۔

یہ صورت حال مزید Tense ہوتی جاتی ہے جب اسے مہمانوں کی جانچنے پرکھنے والی نظروں کا سامنا کرنا پڑتا ہے ایسی نظریں جیسی ڈاکٹر ایکسرے پر ڈالتے ہیں۔

چونکہ لڑکے والوں کے سامنے ایک ہی رشتہ نہیں ہوتا۔ یا وہ رشتہ طے کر لینے کی ہی نیت سے نہیں آتے اس لئے اکثر انکار ہو جاتا ہے۔

اور یہ ایک لڑکی کے لئے سب سے کٹھن مرحلہ ہوتا ہے سب کے بیچ ٹھکرائے جانے کا احساس۔ کیا یہ ذلت آمیز نہیں ہے۔

اور اس پر مزید یہ کہ کئی واقعات میں تو انکار کی وجہ ہی لڑکی کو قرار دیا جاتا ہے۔ پسند نہیں آتی' آنکھ چھوٹی ہے' ہونٹ موٹے ہیں یا رنگ کالا ہے یا پھر قد چھوٹا ہے۔ وغیرہ وغیرہ

پھر کچھ بعید نہیں ہوتا کہ ہمسایوں یا محلے والوں کی رگ ہمسائیگی پھڑک اٹھے اور وہ اپنے طور اس فکر میں گھل گھل جائیں کہ جواب کیا آیا۔ لڑکی پسند آئی یا نہیں' اگر نہیں تو پھر کیوں نہیں؟

ایک نہ ختم ہونے والا سلسلہ چھڑتا چلا جاتا ہے جتنی بار وہ اس سچوایشن سے گزرتی ہے اتنی مرتبہ اس کی عزت نفس مجروح ہوتی ہے لوگوں سے ہمدردی کا زمانہ تو نہیں رہا لیکن اپنی اولاد کی تحقیر وتذلیل یا پریشانی کو تو محسوس کیا جانا چاہئے۔ رشتہ طے کرنے کا یہ طریقہ کار غلط ہے۔ اس طرح بھی کہ آپ تمام تر صورت حال کو ایک اور زاویے سے دیکھئے۔

یعنی لڑکے والوں کے نفع ونقصان کی رو سے۔

جہاں وہ رشتہ لینے جا رہے ہیں ان لوگوں کو ان کی آمد کا پہلے سے علم ہے اور یہ بھی کہ وہ کس مقصد کے تحت آرہے ہیں۔

ظاہر ہے وہ تمام تر خوش اخلاقی سے ملیں گے۔ بساط سے بڑھ کر خاطر مدارت کریں گے۔ ہر عیب اور قابل اعتراض بات کو چھپانے کی کوشش کریں گے۔ یعنی ایک ایسا ڈرامہ جس کے ہر کردار کو علم ہے کہ کہاں اسے کیا کہنا ہے؟

یہ حقیقت تو نہ ہوئی۔ اگر کوئی یہ کہے کہ ہم نے دائیں بائیں سے معلومات حاصل کر لی ہیں تو ہر بتانے والا اپنے ذوق اور معیار کے مطابق' اچھے برے' درست غلط کے ذاتی فیصلے سے ہی آپ کو بتا سکتا ہے ضروری نہیں کہ معلومات دینے والے کا اور آپ کا معیار یکساں ہو۔

دوسری بات یہ کہ اگر آپ کو لڑکی پسند آگئی تو چند لمحوں کی ملاقات میں صورت تو دیکھی جا سکتی ہے سیرت کا اندازہ ممکن نہیں ہے۔ شادی کے بعد صورت سے نہیں سیرت سے واسطہ پڑتا ہے۔

اگر آپ صرف صورت دیکھ کر کسی کو بیاہ لاتے ہیں تو پھر اس کے حسن سے مسحور ہوئے۔ بعد میں عادتوں کا رونا کیوں روتے ہیں یا پھوہڑپن کی شکایت کیسی؟ ہر گھر کا اپنا ماحول ہوتا ہے مخصوص سوچ اور خاص عادات ہوتی ہیں جن کا اندازہ رشتہ طے کرنے کے اس طریقہ کار سے ممکن نہیں۔

اس لئے یہ کسی بھی طرح کسی بھی فریق کے لئے سود مند نہیں۔ لڑکے والوں کا تو انکار کرنے سے بھی کچھ نہیں جاتا۔ بلکہ مفت میں عزت افزائی اور

خاطر مدارت سے لطف اندوز ہو لیتے ہیں بلکہ اکثر خواتین کا تو یہ محبوب مشغلہ ہوتا ہے بعد میں بلاوجہ یا پھر وجہ گھڑ کر انکار کر دیا جاتا ہے۔

مگر لوگ یہ کیوں بھول جاتے ہیں کہ بیٹیاں تو ہر گھر میں ہوتی ہیں ان کے اپنے گھر بھی ہوں گی۔ اور اگر کوئی بہت زعم میں گرفتار ہے کہ میرے گھر میں تو صرف بیٹے ہیں میرے کوئی بیٹی نہیں تو کیا گارنٹی ہے کہ اس کے بیٹوں کے ہاں بھی صرف بیٹے ہی پیدا ہوں گے شائد اسی لئے یہ مقولہ کہا گیا ہے۔

"بیٹیاں سب کی سانجھی ہوتی ہیں"

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ صحیح اسلامی طریقہ کیا ہے؟

ایسا کون سا طریقہ ہے جس سے کسی کا دل نہ دکھے' کسی کو پریشانی لاحق نہ ہو کسی کے لئے شرمندگی کا سامان نہ ہو۔ اور نہ ہی کوئی دھوکا کھائے۔

ہر کام کو کرنے کے دو طریقے ہوتے ہیں' غلط طریقہ یا درست طریقہ' غلط طریقے سے وقت اور محنت کا ضیاع تو ہوتا ہی ہے نتائج بھی خاطر خواہ حاصل نہیں ہوتے۔ اور درست طریقے کی یہ خوبی ہوتی ہے کہ وقت اور محنت بھی کم خرچ ہوتے ہیں اور نتائج بھی خاطر خواہ حاصل ہوتے ہیں پھر مزید یہ کہ آسان ترین بھی ہوتا ہے اور دل ودماغ بھی مطمئن رہتے ہیں۔

رشتہ طے کرنے کے سلسلے میں بنیادی چیز میل جول بڑھانا ہے جس گھر میں آپ رشتہ کرنا چاہتے ہوں ان سے اگر سلام دعا نہیں ہے تو پیدا کیجئے اور اسے بڑھا کر میل جول تک لے جایئے۔ کبھی انہیں اپنے ہاں مدعو کیجئے تاکہ اگر بات آگے بڑھے تو وہ بھی آپ کے گھریلو حالات سے واقف ہوں اور آپ کی طرف سے ہر طرح سے مطمئن ہوں۔

میل جول کے لئے کسی حیلے بہانے کی بھی ضرورت نہیں ہوتی آئے دن مل بیٹھنے کے مواقع ملتے رہتے ہیں۔

لوگ پسند آجائیں' ان کا ماحول' عادات واطوار اچھے ہوں تو آپ بات آگے بڑھانے کے لئے اشارے کنائے سے گھر کے بزرگوں سے اپنا مدعا بیان کیجئے۔ جواب حسب منشا ہو تو باقاعدہ پیغام لے کر جائیں اور منگنی کا اعلان کر دیجئے۔ اور اس طرح کی شادی کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ نہ صرف دھوکے سے بچیں گے بلکہ شادی کے بعد جنم لینے والے کئی اختلافات اور پیچیدگیوں سے بھی گھر محفوظ رہتا ہے۔

بصورت دیگر اگر جواب حسب منشاء نہ ہو تو خاموشی سے اپنی راہ لیجئے اس لئے کہ لڑکی کے والدین اپنی مرضی کے مالک ہیں اور اپنی اولاد کے نفع ونقصان کے خود ذمہ دار۔ آپ کو ہٹ دھرمی یا شور شرابا بپا کرنے کا قطعی حق نہیں ہے یہ انتہائی معیوب اور غیر اخلاقی حرکت ہوگی۔

اگر آج آپ کسی کی عزت کا خیال رکھیں گے تو کل آپ کے احترام میں بھی فرق نہ آئے گا۔

حدیث پاک کی رو سے اپنے جیسے لوگوں میں رشتہ کرنا چاہئے۔ اس سے یہ قید ہرگز ثابت نہیں ہوتی کہ اپنے ہی خاندان یا قوم میں شادی کرنی چاہئے۔ بلکہ حدیث پاک کا منشا یہ ہے کہ معاشرتی اعتبار سے اور معاشی اعتبار سے اگر دونوں گھرانے ایک دوسرے کے برابر ہوئے تو گھر کا ماحول' رہنے کا معیار' عادات واطوار' رسوم ورواجات تقریباً" یکساں ہوں گی اس سے آنے والی بچی بھی اجنبیت کا شکار نہیں ہوگی کیونکہ اجنبی ماحول کا ایک دم سے عادی ہو جانا آسان نہیں ہے۔

پھر جن لوگوں میں اسے رہنا ہے اگر وہ بچی ان کے جیسی ہوئی تو انہیں بھی کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوگی۔ شائد اسی لئے رشتہ داروں کو مقدم جانا جاتا ہے۔

اہل دنیا کی یہ حالت کہ نہ الفت نہ وفا
اور میرا دل وہی انداز پرانے مانگے

آج کے ہمارے معاشرے کا جائزہ لیا جائے تو مندرجہ بالا باتیں گزشتہ صدی کی پیداوار لگیں گی۔ ان باتوں کو کوئی دھیان میں نہیں لاتا۔ بلکہ فرسودہ خیال کیا جاتا ہے۔

لیکن کیا ہمارا پرانا کلچر وہ معاشرہ وہ تہذیب ہمارے آج کے معاشرے کے مقابلے میں آسودہ اور خوشحال نہیں تھا۔ امن وسکون اور مروت ومحبت کا گہوارہ نہیں تھا۔

آج ہماری آسائش پرستی' جلد بازی اور لالچ نے رشتوں میں کیسا کیسا کھوٹ ملا دیا ہے کہ آنے والی نسل ہمارے ہاتھوں سے چھوٹ چلی ہے۔

اغیار کا حلیہ' چال چلن اس گم کردہ راہ نوجوان نسل کا وطیرہ ہو چلا ہے۔ مستقبل اتنا تاریک ہے کہ کسی طرح کی کوئی پیشین گوئی ممکن نہیں رہی کہ کل ہم کہاں کھڑے ہوں گے۔

اس کی وجہ کیا ہے ہمارا اپنی معاشرتی اقدار و روایات کو دانستہ بھلا دینا وہ آداب وارویات جو اسلامی تعلیمات نے سینچی گئی تھیں جن کے ثمر کی تاریخ گواہ ہے جو ہماری پہچان تھیں بلکہ طرہ امتیاز تھیں قصہ پارینہ ہو چلی ہیں۔

آج ہم نے ترقی کے پردے میں تنزلی کو دعوت دے ڈالی ہے۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔ ترقی کرتے کرتے ہم مغرب والوں کے نزدیک تیسری دنیا کے درجے کو پہنچ چکے ہیں

لو وہ بھی کہہ رہے ہیں بے ننگ و نام ہے
یہ جانتا اگر تو لٹاتا نہ گھر کو میں

اپنی بنیادوں سے روگردانی کی یہ کیسی عجیب منطق ہے جو سمجھ سے باہر ہے کبھی کسی بلند وبالا عمارت پر چڑھنے والے کو اس عمارت کی بنیادوں پر وار کرتے دیکھا گیا ہے۔ اس خیال سے کہ اب وہ بلندی پر پہنچ گیا ہے تو ان پستی میں موجود بنیادوں کی اسے کیا ضرورت۔

لیکن ہمارا وطیرہ یہی ہو چکا ہے جسے اب بدلنے کے سوا ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں رہا ہم کسی دوسرے کو روک نہیں سکتے تو کم از کم اپنی ذات پر تو ہمارا اختیار ہے۔ ہر کوئی اگر یہ سوچ لے تو یہ فردا" فردا" اصلاح خود بخود اصلاح عام ہو سکتی ہے۔

جیسے بارش گرتی تو ایک ایک قطرہ کر کے

بقیہ نمبر ۴۴ پر

نعت (کلام شیخ)

اپنی خاطر تو یہ جنت کی ضمانت ہوگی
ہو اگر کٹیا کوئی نجد کے صحرا میں نصیب

اپنی قسمت پہ کروں ناز میں جتنا کم ہے
ہو بسیرا جو میرا شہر محمدؐ کے قریب

رونقیں جس کی جواں اور فضائیں روشن
کیف ایسا کہ جسے صرف کہا جائے عجیب

ہیں تونگر تیرے کوچے کے گدا بھی آقا
تجھ سے جتنا ہے کوئی دور ہے اتنا ہی غریب

ہو میرے دل کی دوا توڑ کے لایا ہوں اسے
لا دوا ہے یہ مریض اور تو حاذق ہے طبیب

ہے میرا مرض پرانا بھی خطرناک بھی ہے
ہے علاج اس کا یقیناً" تیرے قدموں کے قریب

دیکھ سیماب ہے اک خاک کی مٹھی آخر
تیری راہوں کی بنے خاک ہوں' یارو جو نصیب

سیماب اویسی

ایک غلط فہمی اور اس کا ازالہ

یعقوب قسمانی۔ ڈیرہ غازی خاں

دینی تحریکوں کا سب سے بڑا المیہ اس سوچ کا پیدا ہونا ہے کہ ہم ہی درست اور باقی سب غلط ہیں یہ سوچ جہاں قبول حق کے دروازے بند کرتی ہے وہاں نفرت' حقارت اور جھگڑا فساد کو بھی جنم دیتی ہے۔

دینی احکام دو حصوں میں تقسیم کئے جا سکتے ہیں۔ ایک طرف وہ اعمال ہیں جو نہ صرف خود مقصود ہیں بلکہ ان کا مخصوص طریقہ کار بھی مطلوب و مقصود ہے۔ مثلاً" وضو' نماز' روزہ وغیرہ۔ نماز بھی مقصود اور اس کا طریقہ کار یعنی قیام' رکوع' سجدہ وغیرہ بھی مقصود۔ اس کے بغیر نماز نہ ہوگی۔

دین کا دوسرا حصہ جو فی نفسہ تو مقصود ہے لیکن اس مقصود کے حصول کا طریقہ کار مخصوص نہیں۔ بلکہ جدید عصری تقاضوں کے پیش نظر مقصود کے حصول کے طریقہ کار کے تعین کے لئے امت کے اجتہاد پر اعتماد کیا گیا ہے۔ مثلاً" دعوت و تبلیغ' تزکیہ اصلاح و نفس' تعلیم وتعلم' جہاد فی سبیل اللہ وغیرہ مندرجہ بالا تمام امور اگرچہ مقصود ہیں۔ لیکن ان کے حصول کے طریق ہائے کار زمانہ کے بدلتے ہوئے حالات کے تناظر میں تغیر پذیر ہیں۔ جہاد نفسی شئی مطلوب ہے لیکن بہت سی حکمتوں اور مصلحتوں کی بنا پر (زمانہ کی تعریف اور راحت کے لئے' وسعت اور سہولت کا خیال کرکے) اس کا طریق کار متعین نہیں پہلے جہاد تلواروں' نیزوں اور گھوڑوں کی مدد سے ممکن تھا۔ اب کلاشنکوف' ٹینک آبدوزوں وغیرہ سے کیا جائے گا۔

اب اگر کوئی شخص یہ کہے کہ میں نماز ادا کروں گا مگر اپنے اختیار کردہ طریقے سے یا جہاد تو کروں گا مگر اس طریق پر جس طریق پر حضور اکرم ﷺ نے (اپنے زمانہ کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے یعنی تلواروں اور نیزوں سے) چودہ سو سال پہلے کیا تھا تو اس کا یہ قول اس کے جہل کی دلیل اور اس کا عمل اس کی دنیا اور آخرت کی تباہی و بربادی کا سبب ہوگا۔

مختلف دینی اداروں اور تحریکوں کے درمیان بنیادی تنازعہ دین کے دوسرے حصہ کے دوسرے خبر یعنی مقصود کے حصول کے ذرائع (طریقہ کار) پر ہے۔

ذرا ملاحظہ فرمایئے! بنیادی مقصد فرد کی اصلاح ہے۔ لیکن مختلف مجددین نے اپنے تجربہ و مشاہدہ بلکہ تائید ایزدی کی بنیاد پر مختلف ذرائع اختیار کئے ہیں۔ جو نہ صرف مقبول عام ہوئے ہیں۔ بلکہ حقیقتاً" لوگوں کی تربیت و اصلاح کا ذریعہ بھی بنے ہیں۔ چند اصلاحی تحریکوں اور ان کے طریقہ کو سمجھنے سے پہلے چند باتیں ذہن نشیں کرلیں۔

یہاں پر سب سے پہلی حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ شریعت مطہرہ مختلف اعمال و احکام کا مجموعہ ہے۔ دعوت و تبلیغ' ذکر اللہ' جہاد وغیرہ دین کے مختلف اجزاء ہیں نہ کہ مکمل دین۔

دوسری بات جو یہاں قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ایک نبی ہوتا ہے اور ایک مجدد۔ نبی کی شان یہ ہوتی ہے کہ اس کے بتائے ہوئے طریقے کے اتباع کے بغیر نجات ہو ہی نہیں سکتی۔ لیکن کسی مجدد اور مصلح کا معاملہ یہ نہیں ہے۔ خاص خاص ترقیاں تو ان کے اتباع اور ان کے ساتھ وابستگی سے ہوتی ہیں لیکن نجات اس پر منحصر نہیں ہوتی۔ مثلاً" کسی ایک مجدد کے طریقے سے قربانی کے جذبات بڑھتے ہیں تو کسی دوسرے مجدد کے طریقے سے صفائی معاملات میں پختگی آتی ہے۔ اخروی نجات صرف اور صرف کامل شریعت کے کامل اتباع سے ہی نصیب ہوگی اور نبی کا قول و فعل شریعت کے ہر پہلو کا احاطہ کئے ہوئے ہوتا ہے۔

تیسری بات جو یہاں قابل غور ہے وہ یہ کہ مجددین نے دین کے کسی ایک جزو کو جڑ اور بنیاد بنا کر احیاء دین کی مکمل عمارت کو اس پر کھڑا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور فرد کی اصلاح کے لئے جو بھی ذرائع استعمال کئے ہیں وہ اسی جڑ اور بنیاد یعنی دین کے اس جزو کے گرد گھومتے اور اس کی اہمیت بڑھاتے نظر آتے ہیں۔ ہم اس بنیاد کو نقطہ آغاز سے موسوم کرتے ہیں۔ مجددین کے اس طرز عمل کا ثبوت اس روایت سے بھی ملتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک شخص نے حاضر ہو کر اپنے مختلف گناہوں یعنی شراب' چوری اور جھوٹ کا تذکرہ کرتے ہوئے درخواست کی کہ میرے لئے سب گناہ چھوڑنا ممکن نہیں۔ آپ کسی ایک گناہ کے چھوڑنے کا حکم فرمایئے۔ یہاں پر حضور اقدس ﷺ نے جھوٹ کو ترک کرنے اور "سچ" کو اختیار کرنے کا حکم فرما کر دراصل سچ یعنی دین کے ایک جزو کو تمام گناہوں سے بچنے اور پورے دین پر عمل کرنے کو جڑ اور بنیاد بنایا ہے۔ ہم یہاں پر دو اصلاحی تحریکوں اور ان کے طریقہ کار کا اجمالاً" ذکر کر رہے ہیں۔

1- تحریک دعوت و تبلیغ

مقصود--- فرد کی اصلاح و کامل اتباع شریعت

نقطہ آغاز--- دعوت و تبلیغ

طریقہ کار--- چلہ' چار ماہ' گشت وغیرہ

2- خانقاہی نظام تربیت

مقصود--- فرد کی اصلاح و کامل اتباع شریعت

نقطہ آغاز--- کثرت ذکر و صحبت شیخ

طریقہ کار--- مخصوص طریق ہائے افکار و اشغال و مراقبات' ریاضت و مجاہد' افادہ عام کے لئے دعوت و تبلیغ۔ ذکر اللہ اور صحبت شیخ کی اہمیت واضح کرنے کی غرض سے چند قرآنی آیات' احادیث نبوی و بزرگان دین کے اقوال مختصراً" درج کئے جا رہے ہیں۔ یہ تمام آیات' احادیث و اقوال فضائل اعمال مولف شیخ الحدیث حضرت مولانا ذکریا صاحب سے نقل کئے گئے ہیں۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم بھلائیوں کا حکم نہ کریں جب تک خود تمام پر عمل نہ کریں اور برائیوں سے منع نہ کریں جب تک خود تمام برائیوں سے نہ بچیں۔ حضور

اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا "نہیں بلکہ تم بھلی باتوں کا حکم کرو اگرچہ تم خود ان سب کے پابند نہ ہو اور برائیوں سے منع کرو اگرچہ تم خود ان سب سے نہ بچ رہے ہو۔

اے امت محمدیہ! تم افضل امت ہو تمہیں لوگوں کے نفع کے لئے بھیجا گیا ہے۔ تم بھلی باتوں کو لوگوں میں پھیلاتے ہو اور بری باتوں سے ان کو روکتے ہو۔ اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

اور چاہئے کہ تم میں ایسی جماعت ہو کہ لوگوں کو خیر کی طرف بلائے اور بھلی باتوں کا حکم کرے اور بری باتوں سے منع کرے اور صرف وہی لوگ فلاح والے ہیں۔

اس کام کی اہمیت اور ضرورت کو امام غزالیؒ نے اس طرح ظاہر فرمایا ہے۔

"اس میں شک نہیں کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر دین کا ایسا زبردست رکن ہے جس سے دین کی تمام چیزیں وابستہ ہیں۔ اس کو انجام دینے کے لئے حق تعالیٰ نے تمام انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا۔ اگر خدانخواستہ اس کو بالائے طاق رکھ دیا جائے اور اس کے علم وعمل کو ترک کر دیا جائے تو العیاذ باللہ نبوت کا بیکار ہونا لازم آئے گا۔ دیانت جو شرافت انسانی کا خاصہ ہے مضمحل اور افسردہ ہو جائے گی۔ کاہلی اور سستی عام ہو جائے گی۔ گمراہی اور ضلالت کی شاہراہیں کھل جائیں گی۔ جہالت عالمگیر ہو جائے گی۔ تمام کاموں میں خرابی آجائے گی۔ آپس میں پھوٹ پڑ جائے گی۔ آبادیاں خراب ہو جائیں گی۔ مخلوق تباہ وبرباد ہو جائے گی۔ اور اس تباہی وبربادی کی اس وقت خبر ہوگی جب روز محشر خدائے بالا وبرتر کے سامنے پیشی اور بازپرس ہوگی"

حضور اقدس ﷺ کا ارشاد ہے کہ اللہ کا ذکر ایسی کثرت سے کیا کرو کہ لوگ مجنوں کہنے لگیں۔

حدیث میں وارد ہے کہ ہر چیز پر اس کے مناسب زنگ اور میل کچیل ہوتا ہے دل کا میل اور زنگ خواہشات اور غفلت ہیں۔ اللہ کا ذکر اس کی صفائی کا کام دیتا ہے۔

"ذکر" تصوف کا اصل اصول ہے اور تمام صوفیہ کے سب طریقوں میں رائج ہے۔ جس شخص کے لئے ذکر کا دروازہ کھل گیا۔ اس کے لئے اللہ جل شانہ تک پہنچنے کا دروازہ کھل گیا اور جو اللہ جل شانہ تک پہنچ گیا وہ جو چاہتا ہے پاتا ہے کہ اللہ جل شانہ کے پاس کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔

شیخ اکبر تحریر فرماتے ہیں

"اگر تیرے کام دوسرے کی مرضی کے تابع نہیں تو تو کبھی بھی اپنے نفس کی خواہشات سے انتقال نہیں کر سکتا گو عمر بھر مجاہدے کرتا رہے۔ لہٰذا جب بھی تجھے کوئی ایسا شخص جس کا احترام تیرے دل میں ہو اس کی خدمت گزاری کر اور اس کے سامنے مردہ بن کر رہ کہ وہ تجھ میں جس طرح چاہے تصرف کرے اور تیری اپنی کوئی بھی خواہش نہ رہے۔ اس کے حکم کی تعمیل میں جلدی کر اور جس چیز سے روکے اس سے احتراز کر۔ اگر پیشہ کرنے کا حکم کرے پیشہ کر مگر اس کے حکم سے نہ کہ اپنی رائے سے۔ بیٹھ جانے کا حکم کرے تو بیٹھ جا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ شیخ کامل کی تلاش میں سعی کرتا کہ تیری ذات کو اللہ سے ملا دے"

اصلاحی تحریکوں کی حقیقت ایک مثال سے سمجھیں۔ انجن' چلنے میں دو چیزوں کا محتاج ہوتا ہے۔ ایک سٹیم اور دوسرا پٹڑی۔ انسان کی مثال انجن کی سی ہے۔ جس کو منزل مقصود پر پہنچنے کے لئے دو چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک ایمانی قوت دوسرا علم کا راستہ۔ مثال کی اصل غرض وغایت یہ ہے کہ ان اصلاحی تحریکوں سے ایمانی قوت تو حاصل ہو سکتی ہے لیکن ایمانی قوت سود مند اس وقت ہوگی جب اس کو کامل شریعت کے کامل اتباع میں صرف کیا جائے اور کامل اتباع شریعت کے لئے ضرورت ہوگی علم کی جب بات چلی علم کی تو آیئے دیکھتے ہیں کہ آیا حصول علم کے لئے مروجہ طریقہ کار وہی ہے جو صحابہؓ کا حضور اکرم ﷺ سے تھا۔

دین سیکھنا سکھانا ضروری ہے۔ اور دین میں اس کا نہایت تاکیدی حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام کے زمانہ میں اس کے لئے صرف صحبت کافی ہو جاتی تھی۔ تعلیم کے لئے کوئی مستقل انتظام نہیں تھا۔ نہ مدرسے تھے نہ کتابیں تھیں لیکن بعد میں حالات ایسے ہو گئے کہ صحبت اس مقصد کے لئے کافی نہیں رہی۔ بلکہ کتابوں کی اور پھر مدرسوں کی بھی ضرورت پڑ گئی۔ تو اللہ کے بندوں نے کتابیں لکھیں اور مدرسے قائم کئے اور اس کے بعد سے دین کے تعلیم و علم کا سارا سلسلہ اسی سے چلا اور اب تک اسی سے قائم ہے۔

مضمون کا ماحاصل یہ ہے کہ محض طریقہ کار کے اختلاف کی بنیاد پر ایک دوسرے کے خلاف کفر وبدعت کے فتوے لگانا سراسر ظلم ہے۔ جو بھی دینی ادارہ جس طریقہ کار کے مطابق مصروف عمل ہے اس کے کارکنوں میں اس طریقہ کار کی قدر واہمیت کا راسخ ہونا جہاں بہت ضروری ہے۔ وہاں اس کے رسوخ کے لئے اسباب بھی اختیار کئے جاتے ہیں۔ جس کے لئے قرآن وحدیث۔ آثار صحابہ اور بزرگان دین کے اقوال و افعال کو بنیاد بنایا جاتا ہے اور یہی عقلی اور فطری راستہ بھی ہے۔ لیکن اس بنیاد کو چھوڑ کر ایک دوسرے کو ہدف تنقید وملامت بنانا قابل مذمت ہوگا۔

ایک بات یہ بھی ہونی چاہئے کہ امت میں طبقات کا اتنا اختلاف ہے اذہان میں اتنا تفاوت ہے اور حالات ایسے مختلف ہیں کہ کوئی تحریک یہ دعویٰ نہیں کر سکتی کہ وہ تمام طبقات کو متاثر کر سکتی ہے اور ان کی تسکین کا سامان کر سکتی ہے اور ان کی استعداد کے مطابق دینی غذا فراہم کر سکتی ہے۔ اسی طرح ایک واحد طریقہ کار سے ہر جگہ ہر ماحول اور ہر حالت میں کامیابی مشکل ہے۔

ہمعصر دینی تحریکیں یا ادارے منصوص چیزوں کو مقصد بنائے ہوئے اور اپنی مخلصانہ صوابدید کے مطابق کسی طرز پر کام کر رہے ہیں تو ہمارا ان سے کوئی اختلاف نہیں ہونا چاہئے بلکہ ہمیں ان کے کام کا اعتراف کرنا چاہئے' ان کو کامیابی کی دعائیں دینی چاہئیں اور ان سے تعلقات بڑھانا چاہئیں۔ ان کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انہوں نے بہت سے لوگوں کو سنبھال رکھا ہے جو ہماری گرفت میں نہیں آسکتے تھے۔ یہ اللہ کی طرف سے انتظام سمجھنا چاہئے کہ کچھ لوگ اس راستہ سے دین تک آجائیں اور کچھ لوگ اس راستہ سے۔

اس طرح آپس کے تنازعات ختم ہو جائیں گے ایک دوسرے کی طرف سے دل صاف ہو جائیں گے۔ اور امت کے مختلف طبقات اور جماعتوں میں تعاون علی البروا لتقویٰ کرنے کی اور خدا ترسی پر ایک دوسرے کی امداد کی استعداد پیدا ہو جائے گی جو عرصہ سے مفقود ہو چکی ہے۔

معروف مسانید اور کتب حدیث (مختصر تعارف)

مولانا عبدالمالک

مسند کا مفہوم:۔ "مسند" حدیث کے اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کو اسمائے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی ترتیب پر مرتب کیا جائے۔ یعنی ہر صحابیؓ کی حدیث کو الگ الگ بیان کیا جائے۔ اس ترتیب میں بعض اوقات فضیلت اور اسلام میں سبقت' بعض اوقات قبیلے اور شہروں اور بعض اوقات ناموں کے حروف کو پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ آسان اور کتاب سے حدیث کو تلاش کرنے میں مفید صورت یہ ہے کہ کتاب حروف کی ترتیب پر مرتب کی جائے۔ "مسند" کے لفظ سے بعض اوقات حدیث کا وہ مجموعہ بھی مراد ہوتا ہے جو موضوعات اور ابواب کے لحاظ سے مرتب ہو' اس لئے کہ اس مجموعے میں مرفوع روایات ہوتی ہیں۔ جیسے "مسند بقی بن مخلد اندلسی کو اسی معنی میں مسند کہا جاتا ہے۔ یہ اسمائے صحابہ کی ترتیب پر مرتب نہیں بلکہ فقہی موضوعات یا ابواب پر مرتب ہے (الرسالتہ المسنطرفتہ' ص 74-75)۔ مسانید کی تعداد سو سے بھی زیادہ ہے۔ محمد بن جعفر کتانی (1345ھ) نے 82 مسانید ذکر کی ہیں اور اس کے بعد کہا جن مسانید کا ہم نے تذکرہ کیا ہے' ان کے علاوہ بھی بہت سی مسانید ہیں (الرسالتہ المسنطرفتہ' ص 74)۔

مصنف کا مفہوم:۔ "مصنف" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کی ترتیب فقہی موضوعات کے مطابق ہو اور اس میں مرفوع احادیث پر اکتفا نہ کیا گیا ہو بلکہ آثار صحابہ و تابعین کا ذکر بھی ہو۔

سنن کا مفہوم:۔ "صحیح" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس کے مصنف نے ارادہ کیا ہو کہ حسن اور ضعیف کی بجائے صرف صحیح درجے کی احادیث ذکر کریں گے۔

معجم کا مفہوم:۔ "معجم" اس مجموعے کو کہا جاتا ہے جس میں احادیث کو محدث اپنے اساتذہ کی ترتیب کے مطابق اسی طرح ذکر کرے۔

مستدرک کا مفہوم:۔ "مستدرک" اس مجموعے کو کہتے ہیں جسے کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں رہ گئی ہوں' ان کو اس مجموعے میں ذکر کر دیا جائے۔

مستخرج کا مفہوم:۔ "مستخرج" اس مجموعے کو کہتے ہیں جس کو کسی خاص کتاب کو پیش نظر رکھ کر مرتب کیا گیا ہو کہ جو احادیث اس میں آتی ہیں' انہی احادیث کو مصنف اپنی سند سے بیان کر دے۔

ذیل میں صحاح ستہ کے ماسوا چند مشہور مسانید اور دیگر کتب حدیث کا ذکر کیا جاتا ہے۔

(1)۔مسند حمیدی:۔ یہ عبداللہ بن زبیر حمیدی کی تصنیف ہے جن کی کنیت ابوبکر ہے جو امام بخاری کے شیخ (استاذ) ہیں۔ انہوں نے 219ھ میں وفات پائی۔ یہ ایک مختصر مجموعہ ہے جس میں مطبوعہ نسخے کے مطابق 1300 حدیثیں ہیں۔ دو جلدوں میں مجلس عملی کراچی نے اس کو شائع کیا ہے۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی احادیث کی تحقیق کی اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ موضوعات کے لحاظ سے اطراف حدیث (یعنی حدیث کے پہلے کلمات) کی فہرست ترتیب دے کر کتاب کے آخر میں ملحق کر دی ہے۔ اس میں اس بات کی نشان دہی بھی کر دی ہے کہ حدیث کتاب کے کس صفحے پر ہے۔

(2)مسند الامام احمد بن حنبل:۔ (متوفی 241ھ) یہ بہت بڑی مسند ہے۔ اس میں چالیس ہزار احادیث ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے جب 180ھ میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا تو اسی وقت سے احادیث جمع کرنا شروع کر دیں اور پھر ساری عمر جمع کرتے رہے۔ ان کی زندگی میں یہ ایک مسودے کی شکل میں تھا۔ وہ ان احادیث کو بیان کرتے رہے اور اپنے شاگردوں کو سناتے رہے لیکن تالیف کا سلسلہ بھی جاری رہا۔ آخری عمر میں اپنے دونوں بیٹوں صالح' عبداللہ اور بھتیجے حنبل کو جمع کیا اور پوری مسند انہیں پڑھ کر سنائی۔ حنبل کہتے ہیں کہ ساری مسند ہمیں سنانے کے بعد ہم سے فرمایا کہ میں نے اسے ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے منتخب کیا ہے۔ مسلمان جب کسی حدیث میں اختلاف کریں تو تم فیصلے کے لئے اس کی طرف رجوع کرنا۔

مسند الامام احمد بن حنبل کو امام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے عبداللہ نے مرتب کیا ہے اور بعض احادیث کا اضافہ بھی کیا ہے۔ اس طرح عبداللہ سے روایت کرنے والے ابوبکر قطیعی جو بغداد کے محلہ قطیعہ کے رہنے والے تھے انہوں نے بھی اس میں کچھ اضافے کئے ہیں۔ مسند احمد احادیث کا قابل اعتماد مجموعہ ہے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے اس کو ان کتب میں شامل کیا ہے جو قبولیت میں دوسرا درجہ رکھتی ہیں۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے مسند احمد کی روایات پر اعتراضات کے جواب میں ایک مستقل رسالہ لکھا ہے جو القول المسدد فی الذب عن المسند کے نام سے شائع ہوا ہے۔ اس میں انہوں نے کہا کہ مسند احمد میں تین چار احادیث کے علاوہ کوئی حدیث بے اصل نہیں۔ وہ تین چار احادیث بھی شاید وہ ہیں جنہیں امام نے کاٹ دیا تھا' یا اصل کتاب سے خارج کر کے حاشیہ میں لکھا تھا مگر عبداللہ نے انہیں غلطی سے اصل کتاب میں شامل کر دیا (ایضاً' ص 9)۔

مسند احمد' صحابہ کی ترتیب پر ہے لیکن حروف تہجی پر مرتب نہیں بلکہ ترتیب میں بہت سے پہلوؤں کو پیش نظر رکھ کر اس کو مرتب کیا گیا ہے۔ اس لئے ایک صحابیؓ کی روایات ایک جگہ نہیں ملتیں۔ اس میں نام کے لحاظ سے بھی حدیث تلاش کرنے کے لئے

ساری کتاب کو دیکھنا پڑتا ہے۔ اس مشکل کو حل کرنے کے لئے علما نے مختلف کوششیں کی ہیں۔ چنانچہ مکتب اسلامی دار صادر بیروت نے جب 1389ھ میں اسے شائع کیا تو اس کے ساتھ فہرست شائع کی جو مشہور محدث علامہ ناصر الدین البانی نے مرتب کی تھی۔ فہرست اسمائے صحابہ کے حروف کے لحاظ سے بنائی گئی ہے اور ہر صحابی کے نام کے ساتھ ذکر کر دیا گیا ہے کہ اس کی روایت مسند احمد میں کس کس جلد میں' کس کس صفحے پر ہے (اصول التخریج ودراسته الاسانید)۔ عالم عرب کے جلیل القدر محدث احمد محمد شاکر نے اس کی ترتیب اور تخریج پر کام شروع کیا تھا۔ اس کی 16 جلدیں طبع ہو گئی تھیں لیکن تکمیل نہ ہو سکی۔ انہوں نے بہت عمدہ کام کیا اور ہر جلد کے آخر میں ایک فہرست موضوعات کے لحاظ سے دے دی ہے۔ مصر کے ایک اور محدث احمد عبدالرحمٰن البناء الساعاتی نے مسند کو موضوعات کے لحاظ سے مرتب کر دیا ہے۔ سند حذف کر دی ہے اور مکررات کو بھی حذف کر دیا ہے' الا یہ کہ اس میں کوئی خاص افادیت ہو اور احادیث کی تخریج بھی کر دی ہے۔ انہوں نے اس کی ایک شرح بھی بلوغ الامانی کے نام سے کی ہے۔ نیز اس بات کی تحقیق بھی کر دی ہے کہ کون سے اضافے عبداللہ نے کئے ہیں اور کون سے ابوبکر قطیعی نے کئے ہیں۔ الفتح الربانی کے بعد مسند احمد سے استفادہ آسان اور عام ہو گیا ہے (مقدمه الفتح الربانی' ص21-22)۔

(3)مسند ابوداود طیالسی:۔ نام سلیمان بن داؤد بن الجارود طیالسی ہے۔ فارس کے رہنے والے تھے۔ بعد میں بصرہ میں سکونت اختیار کر لی۔ بڑے بڑے محدثین شعبہ' ہشام دستوائی وغیرہ سے حدیث حاصل کی۔ اسی سال کی عمر میں 204ھ میں فوت ہوئے۔ یہ وہ ابوداؤد نہیں جن کی کتاب صحاح ستہ میں داخل ہے اس میں 250 صحابہ کی روایات ہیں۔ حاجی خلیفہ کا بیان ہے کہ یہ سب سے پہلی مسند ہے۔ یہ کتاب مجلس دائرۃ المعارف النظامیہ' حیدر آباد دکن' سے شائع ہو چکی ہے۔ عصر حاضر کے محدث شیخ احمد عبدالرحمٰن البناء الساعاتی نے اس کو بھی فقہی ابواب پر مرتب کیا ہے اور اس کا نام منحته المعبود فی ترتیب مسند الطیالس ابوداود رکھا۔ اس کی شرح اور حاشیہ بھی لکھا جس کا نام المحمود علی منحته المعبود رکھا۔ یہ دو جلدوں میں مطبع منیریہ' مصر سے 1372ھ میں شائع ہوئی۔

(4)مسند عبد بن حمید بن نصر کشی:۔ (متوفی 243ھ) کش' جرجان میں ایک بستی کا نام ہے۔ ان کا نام عبدالحمید بن حمید بن نصر ہے اور کنیت ابو محمد ہے۔ امام مسلم' ترمذی اور دوسرے محدثین ان سے روایت کرتے ہیں۔ یہ اس فن کے اماموں میں شمار ہوتے ہیں۔ اس سے ایک اور مسند کا انتخاب کیا گیا ہے جو مسند صغیر کے نام سے مشہور ہے اور مسند کبیر سے زیادہ متداول ہے (شرح عجالته نافعه بستان المحدثین)۔

(5)مسند حارث بن ابی اسامہ:۔ (متوفی 282ھ) یہ اصل میں معجم ہے کیونکہ حارث بن ابی اسامہ نے اسے اپنے اساتذہ وشیوخ کی ترتیب کے مطابق مرتب کیا ہے۔ اس کی پہلی روایت یزید بن ہارون سے ہے اور ان کی سند سے عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ المسلم من سلم المسلمون من لسانه ویده۔ انہوں نے 97 سال کی عمر میں عرفہ کے دن وفات پائی۔

(6)سنن ابی مسلم کشی:۔ ان کی کنیت ابو مسلم اور نام ابراہیم ہے۔ عبداللہ کے بیٹے ہیں۔ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ 264ھ میں انتقال ہوا۔ (بستان المحدثین۔ تحفته الاحوذی)۔

(7)سنن سعید بن منصور:۔ کنیت ابو عثمان اور نام سعید بن منصور مروزی ہے۔ طالقان کے رہنے والے تھے مگر بعد میں بلخ میں رہنے لگے۔ 229ھ کو مکہ مکرمہ میں ان کا انتقال ہوا۔ ان کی یہ سنن بھی مجلس علمی کے اہتمام سے چھپ چکی ہے۔ (بستان المحدثین ص 79' معجم الف عن رسول ﷺ 268)

(8)مسند بزار:۔ (متوفی 292ھ) اس کے شروع میں مسند ابی بکر ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر اور نام احمد بن عمرو ہے۔ بزار پنساری کو کہا جاتا ہے۔ یہ بصرہ کے رہنے والے ہیں۔ انہوں نے اپنی مسند میں اس بات کا اہتمام بھی کیا ہے کہ حدیث کی سند میں اگر کوئی عیب ہے تو اسے بیان کر دیں۔ اس بنا پر اس کو مسند معلل کہا جاتا ہے۔ وفات شام کے شہر رملہ میں ہوئی۔ (بستان المحدثین از شاہ عبدالعزیز' معجم ماالف عن رسول الله صلی الله علیه وسلم)

(9)مسند ابو یعلی الموصلی:۔ 220ھ میں پیدا ہوئے اور 307ھ میں وفات پائی۔ پندرہ سال کی عمر میں علم حدیث حاصل کرنا شروع کیا۔ ان کا نام احمد بن علی بن المثنی ہے۔ موصلی اس لئے کہا جاتا ہے کہ موصل کے رہنے والے تھے۔ بڑے بڑے محدثین علی بن الجعد' یحییٰ بن معین وغیرہ ان کے شاگرد ہیں۔ حافظ اسماعیل بن محمد بن فضیل تمیمی کہتے ہیں کہ میں نے بہت سی مسندات پڑھی ہیں لیکن ان سب کی مثال نہروں کی ہے اور مسند ابو یعلی کی مثال اس دریا کی ہے جو ناپیدا کنار ہو۔ اس کی ترتیب میں موضوعات اور اسمائے صحابہ دونوں کا لحاظ رکھا گیا ہے' چنانچہ آغاز کتاب الایمان سے ہے اور اس میں سب سے پہلے مسند ابی بکر صدیق ہے۔ مولانا ارشاد الحق اثری کی تعلیقات کے ساتھ بھی شائع ہو گئی ہے (بستان المحدثین' اصول التخریج ودراسته الاسانیه)۔

(10) معجم ابو یعلی:۔ ابو یعلی کی ایک کتاب معجم بھی ہے جس میں انہوں نے اساتذہ کے حروف کے لحاظ سے ترتیب قائم کی ہے۔ محدثین کا طریقہ ہے کہ معجم کے آغاز میں اس راوی کی روایت کو ذکر کرتے ہیں جس کا نام محمد یا احمد ہو' اس کے بعد کتاب کو اساتذہ کی ترتیب حرفی کے مطابق مرتب کرتے ہیں۔ معجم ابو یعلی میں ایسا ہی کیا گیا ہے۔ (بستان المحدثین)۔

(11)مسند دارمی:۔ عبداللہ بن عبدالرحمٰن تمیمی سمرقندی داری اس کے مصنف ہیں۔ ابو محمد ان کی کنیت ہے۔ مسلم' ابوداؤد' ترمذی' امام احمد کے بیٹے عبداللہ اور یحییٰ بن یحییٰ ذھلی ان سے روایت کرتے ہیں۔ ان کی ولادت 181ھ میں اور وفات یوم عرفہ جمعرات 255ھ کو ہوئی اور تدفین بروز جمعہ یوم النحر کو ہوئی۔ یہ دو جلدوں میں قاہرہ' دمشق' بیروت اور پاکستان سے طبع ہو چکی ہے تین ہزار پانچ سو ستاون احادیث اور 1408 ابواب ہیں (بستان المحدثین' ص 75' اصول التخریج ودراسته الاسانید' معجم ماالف' ص 2155)

(12) صحیح ابن خزیمہ:۔ حافظ ابوبکر محمد بن اسحاق بن خزیمہ نیشاپوری متوفی 311ھ کی تصنیف ہے۔ اس کے تین اجزا جناب مصطفیٰ اعظمی صاحب کی کوشش سے طبع ہو چکے ہیں۔ اس کا ایک قلمی نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں بھی موجود ہے۔ (معجم ماالف' ص 257' مقدمه تحفته الاحوذی' ص 329)۔

(13)سنن دار قطنی:۔ علی بن عمر کی تصنیف ہے۔ بغداد میں محلہ دار قطن کے رہنے والے تھے۔ 306ھ میں پیدا ہوئے اور 385ھ میں جمعرات کے روز وفات پائی۔ دو جلدوں میں مع حاشیہ التعلیق المغنی ازعلامہ ابوالطیب محمد شمس الحق عظیم آبادی' مدینہ منورہ اور "مکتبہ نشرالسنہ ملتان" سے طبع ہو گئی ہے۔ عبداللہ ہاشم ایمانی کی علیقات کے ساتھ دارالمحاسن للطباعه قاہرہ سے بھی شائع ہو چکی ہے۔

(14)مسند بقی بن مخلد القرطبی:۔ (متوفی 273ھ) علامہ ابن حزم فرماتے ہیں کہ اس میں تیرہ سو سے کچھ اوپر صحابہ کی روایات ہیں۔ ترتیب ابواب فقہ پر ہے۔ اسے "مسند" بھی کہتے ہیں اور "مصنف" بھی مقدمه تحفته الاحوذی ص 331-332)۔

(15)مسند ابن راھویہ:۔ امام اسحاق بن ابراہیم المعروف بابن راھویہ مروزی (متوفی 238ھ) کی تصنیف ہے۔ اس کا ایک کامل نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں محفوظ ہے جسے حافظ سیوطی نے تحریر کیا ہے اور حافظ ذہبی نے اس مسند کے راویوں کی تحقیق پر ایک کتاب لکھی ہے۔ علامہ سیوطی نے اسے بھی اس کے حاشیہ پر نقل کیا ہے۔ (مقدمه تحفته الاحوذی۔ ص 333-334)۔

(16)الصحیح المنتقی:۔ حافظ ابی علی سعید بن عثمان بن سعید بن السکن البغدادی (متوفی 353ھ) کی تصنیف ہے۔ جرمنی کے کتب خانے میں اس کا ایک نسخہ حافظ سیوطی کے ہاتھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ ان کا ایک "مصنف" بھی ہے جو حافظ سیوطی کے کے ہاتھ سے لکھا ہوا جرمنی کے کتب خانہ میں محفوظ ہے (تحفته الاحوذی' ص 329-335)۔

(17)مسند ابن ابی عاصم:۔ حافظ ابوبکر احمد بن عمر الشیبانی (متوفی 287ھ) کی تصنیف ہے۔ حافظ منذری کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جرمنی کی لائبریری میں موجود ہے صاحب کشف انطون اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ اس میں تقریباً" پچاس ہزار احادیث ہیں (مقدمه تحفته الاحوذی' صف 333)۔

(18)مسند ابن جمیع:۔ ابو الحسین محمد بن احمد بن محمد بن جمیع (متوفی 402ھ) کی تصنیف ہے۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ایک نسخہ جرمنی کے مکتبے میں ہے۔ اس پر حافظ ابن حجرؒ نے مفید حاشیہ لکھا ہے (مقدمه تحفته الاحوذی ص 333)۔

(19)مسند بن ابی عمرو عدنی:۔ ان کا نام محمد بن یحییٰ ہے۔ آپ نے 243ھ میں وفات پائی۔ ملا علی قاری کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے (مقدمه تحفته الاحوذی' ص 331)۔

(20) صحیح ابو عوانہ:۔ حافظ عوانہ یعقوب بن اسحاق سفرائینی نیشاپوری (متوفی 316ھ) کی تصنیف ہے۔ صحیح مسلم کی احادیث کو اپنی سند سے بیان کیا ہے۔ امام مسلم بیچ میں نہیں آتے۔ بلکہ امام مسلم کے استاذ یا استاذ کے استاذ سے آخر تک سند کے ساتھ اسی حدیث کو بیان کرتے ہیں جو مسلم میں ہے۔ ایسی کتاب "مستخرج" کہلاتی ہے۔ "صحیح" اس کو اس لئے کہتے ہیں کہ انہوں نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ امام مسلم کی اسانید کے علاوہ ایسی اسانید بھی لائے ہیں جو مسلم میں نہیں اور بعض احادیث میں اضافے ذکر کئے ہیں۔ اس لئے اس کی حیثیت ایک مستقل کتاب کی ہوگی (بستان المحدثین' ص 61)۔ دو جلدوں میں حیدر آباد کن اور دارالمعرفتہ بیروت سے شائع ہو چکی ہے۔

(21)مصنف عبدالرزاق:۔ (متوفی 211ھ) حافظ کبیر ابوبکر عبدالرزق بن ہمام الصنعانی کی کتاب ہے۔ یہ صنعائیمن کے رہنے والے ہیں جو یمن کا دارالسلطنت تھا۔ امام احمد بن حنبل' یحییٰ بن معین' اسحاق بن راھویہ ان کے شاگرد ہیں۔ شوال کے مہینے میں پچاسی سال کی عمر میں وفات پائی۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی نے اس کی احادیث کی تحقیق اور تخریج کی ہے اور اس پر حاشیہ لکھا ہے۔ مجلس عملی' جوہانس برگ جنوبی افریقہ' کراچی نے گیارہ جلدوں میں پیروت سے 1970 میں طبع کرایا۔ مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی کی توجہ اور کوشش سے یہ کام ہوا (معجم ماالف عن رسول الله صلی الله علیه وسلم) دکتور صلاح الدین المنجد' ص 268)۔

(22)مصنف ابوبکر بن ابی شیبہ:۔ (متوفی 235ھ) کنیت ابوبکر نام عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ عبسی ہے۔ ابوزرعہ امام بخاری' امام مسلم' ابوداؤد اور بہت سے محدثین نے ان سے استفادہ کیا۔ مصنف میں صرف احادیث احکام کو جمع کیا گیا ہے۔ یہ اس کتاب کا امتیاز ہے کہ کسی فقہی مذہب کے ساتھ امتیاز نہیں کیا گیا۔ مصنف کے قلمی نسخے ہندوستان' قسطنطنیہ کے کتب خانوں میں موجود ہیں۔ ایک کامل قلمی نسخہ جو حافظ سیوطیؒ کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے جرمنی کے کتب خانے میں موجود ہے۔ اس کی طباعت کا آغاز حیدر آباد ہند سے ہوا۔ 1386ھ سے طباعت شروع ہوئی اور 1390ھ تک اس کے پانچ اجزا کتاب الصید تک شائع ہو گئے تھے۔ اس کے بعد طباعت موقوف ہو گئی۔ اب اس کے بقیہ اجزا بھی طبع ہو گئے ہیں۔

(23) صحیح اسماعیلی:۔ یہ صحیح بخاری پر مستخرج ہے۔ اسماعیلی کی کنیت ابوبکر ہے۔ اور احمد بن ابراہیم الاسماعیلی نام ہے۔ شہر جرجان میں اپنے وقت کے امام تھے۔ فقہ وحدیث میں لوگ ان کو مقتدا سمجھتے تھے۔ بخاری رحمتہ اللہ علیہ کے اکیس سال بعد 277ھ میں پیدا ہوئے۔ بچپن سے علم حدیث حاصل کرنے کا شوق تھا۔ اپنے زمانے کے بڑے بڑے محدثین سے استفادہ کیا اور فقہ وحدیث کے جامع اور دین ودنیا کی ریاست کے مالک ہوئے۔ اسماعیلی کو بہت سی کتابیں یاد تھیں اور حدیث وفقہ میں انہیں درجہ اجتہاد حاصل تھا۔ بخاری کی مرویات کو ان کی اسناد کی بجائے اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا۔ اس لئے ان کی کتاب کا نام "مستخرج" قرار پایا۔ صفر 271ھ میں وفات پائی (بستان المحدثین' ص 65-66)۔

(24) صحیح ابن حبان:۔ (متوفی 354ھ) ان کی کنیت ابوحاتم نام محمد بن حبان تمیمی بستی ہے۔ سیستان کے شہر بست کے رہنے والے تھے اس لئے بستی کہلائے۔ 22 شوال جمعہ کے روز 354ھ کو وفات پائی۔ اس کو تقاسیم اور انواع پر مرتب کیا ہے۔ نو جلدوں میں الامیر علاء الدین علی یلیان الفارسی الحنفی' المتوفی 739ھ کی دی ہوئی فقہی ترتیب والا نسخہ' الاحسان فی تقریب صحیح بن حبان کے نام سے بیروت موسستہ الرسالتہ سے شائع ہو چکا ہے۔

(25) مستدرک حاکم:۔ 321ھ ربع الثانی میں پیدا ہوئے اور 405ھ ماہ صفر میں انتقال کر گئے۔ نیشاپور کے رہنے والے تھے۔ عہدہ قضا پر مامور تھے اس لئے حاکم کے نام سے مشہور ہو گئے۔ حاکم نے ان احادیث کو جو صحیح بخاری اور مسلم میں ذکر ہونے سے رہ گئیں باوجودیکہ صحیح تھیں اور بخاری ومسلم کی شرائط کے مطابق تھیں' اس کتاب میں جمع کرنے کی کوشش کی۔ انہوں نے تو اپنے طور پر ایسا کیا لیکن اہل علم کے نزدیک وہ اس میں پوری طرح کامیاب نہیں ہو سکے اور ان کی مستدرک کو "صحیح" کا مقام نہیں مل سکا۔ حافظ شمس الدین ابو عبداللہ محمد زہبی (متوفی 748ھ) نے مستدرک کی تلخیص لکھی ہے جس میں اس کی احادیث کا جائزہ لیا ہے۔ انہوں نے کہا ہے کہ میری تلخیص کے مطالعے کے بغیر کوئی شخص مستدرک کے فیصلے پر اعتماد نہ کرے۔ تلخیص المستدرک' مستدرک کے ذیل میں طبع ہے۔ چار جلدوں میں حیدر آباد ہند سے شائع ہو چکی ہے (بستان المحدثین' ص 69' اصول التخریج' ص 116' شرح عجالتہ النافعہ' ص 77)۔

(26) مستخرج علی صحیح مسلم لابی نعیم اصفہانی:۔ ابو نعیم کا نام احمد بن عبداللہ ہے۔ آپ 336ھ میں پیدا ہوئے اور 20 محرم 430 کو 94 سال کی عمر میں رحلت فرمائی۔ مسلم کی احادیث کو اپنی اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح صحیح بخاری پر بھی ان کی مستخرج ہے جس میں انہوں نے بخاری کی روایات کو بھی اپنی سندوں کے ساتھ بیان کیا ہے ان کی مشہور کتاب حلیتہ الاولیاوبھجتہ الاصفیاء ہے (بستان المحدثین' ص 73)۔

(27) سنن کبری:۔ یہ امام بیہقی کی تصنیف ہے۔ ان کی کنیت ابوبکر' نام احمد بن الحسین ہے۔ بیہق بہق کی طرف منسوب ہے۔ جو نیشاپور سے تیس کوس کے فاصلے پر چند گاؤں کا نام ہے جو آپس میں متصل ہیں' ان دیہات میں سے سب سے بڑا گاؤں خسرو جرد ہے جہاں بیہقی مدفون ہیں۔ ماہ شعبان 384ھ میں پیدا ہوئے اور 10 جمادی الاولیٰ 458ھ کو نیشاپور میں انتقال ہوا۔ یہ ان محدثین اور فقہا میں شامل ہیں جن کو کثرت تصانیف اور حافظہ میں امتیازی مقام حاصل ہے اور وہ اس باب میں ضرب المثل ہیں۔ شیخ علاء الدین علی بن عثمان ابن الترکمانی الحنفی متوفی 750ھ نے جگہ جگہ مواخذے کئے ہیں۔ ان کی تنقید کا مجموعہ الجوھر النقی فی الرد علی البیھقی کے نام سے سنن کبری کے ذیل میں طبع ہے۔ دس ضخیم جلدوں میں دائرہ المعارف النظامیہ حیدر آباد سے طبع ہو چکی ہے۔ (بستان المحدثین)۔

(28) کتاب معرفتہ السنن والاثار للبیھقی:۔ پہلے اس کی چار جلدیں طبع ہوئی تھیں۔ اب پندرہ جلدیں جامعتہ الدراسات الاسلامیہ کراچی سے شائع ہو گئی ہیں۔

(29) شعب الایمان للبیھقی:۔ سات جلدوں میں ہے اور 11269 احادیث جمع ہیں۔ دو جلدوں میں فہرست ہے۔ کل نو جلدیں ہیں۔ مکتبہ دارالباز مکہ مکرمہ سے شائع ہو چکی ہیں۔

(30) سنن صغیر:۔ یہ بھی جامعہ الدراسات الاسلامیہ کراچی سے چار جلدوں میں شائع ہو چکی ہے۔ صاحب تحفتہ الاحوذی نے مقدمہ تحفہ کی 41ویں فصل میں صفحہ 336 تا 339 کتب حدیث کے متعدد قلمی نسخوں کا تذکرہ کر دیا ہے جو جرمنی اور دنیا کے مختلف کتب خانوں میں محفوظ ہیں۔

توجہ فرمائیے

ماہنامہ المرشد نہ ملنے کی شکایت اور سالانہ چندہ درج ذیل پتہ پر ارسال کریں۔

پتہ:۔

ماہنامہ المرشد اویسیہ سوسائٹی

کالج روڈ۔ ٹاؤن شپ

لاہور۔ ۵۴۷۷۰

بہبود عامہ کا تصور

ڈاکٹر لیاقت علی خان نیازی

کسی قوم کے زندہ قوم کہلانے کی سب سے بڑی دلیل یہ سمجھی جاتی ہے کہ اس کے افراد کے دل انسان دوستی اور خدمت انسانی کے بلند خیالات سے کتنے معمور ہوتے ہیں۔ ایسی قوم عالمی قیادت کی بھی مستحق ہوتی ہے۔ اگر معاشرے میں خیر وبرکت اور رحمت کا جذبہ ہو تو اس سے اقوام کی تہذیبیں دوام پاتی ہیں۔ پہلی اقوام میں نیکی کا میدان عبادت گاہوں اور مدارس تک ہی محدود تھا۔ دور جدید میں مغربی اقوام اجتماعی اداروں کے ذریعے بہبود عامہ کا فریضہ سرانجام دے رہی ہیں لیکن ان میں رضائے الٰہی کی خاطر انسانی ہمدردی کا جذبہ مفقود نظر آتا ہے۔ اس کے مقابلے میں امت مسلمہ نے اوائل ہی سے بہبود عامہ کو اپنا شعار بنایا پھر دور عروج وشوکت میں یہ جذبہ اپنے کمال کو پہنچا۔ مسلمانوں نے ہمیشہ بھلائی اور خیر کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ مسلمانوں نے نہ صرف خدمت خلق کو اپنا شعار بنایا بلکہ اسے فلاح دارین کا وسیلہ سمجھا۔

بہبود عامہ سے مراد عوام الناس کی بہتری کے کام ہیں۔ اس سے مراد پبلک ویلفیئر ہے جو ایک وسیع تصور ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل شعبے شامل ہیں۔ مثلاً"

(i)- معاشرتی بہبود اور فلاح عامہ

(ii)- کفالت عامہ

(iii)- رفاہ عامہ

(iv)- خدمت حق کے زمرے میں ہر قسم کے نیکی کے کام

بہبود عامہ کے اسلامی تصور کو سب سے پہلے قرآن اور سنت کی روشنی میں اجاگر کیا جائے گا۔ بعدازاں اسلامی تاریخ کے حوالے سے بہبود عامہ کی عملی شکل پر بحث کی جائے گی آخر میں بہبود عامہ کے ان اداروں کا ذکر کیا جائے گا جو تاریخ اسلام کا ایک روشن باب ہیں۔ پاکستان کے حوالے سے بھی مختصر بحث ہوگی اور تجاویز پیش کی جائیں گی۔

سورت الذاریات کی آیت نمبر19 میں ارشاد ربانی ہے

وفی اموالھم حق للسائل والمحروم

"اور ان کے مال میں مانگنے والوں اور مانگنے والوں دونوں کا حق ہے"۔

اسی جذبے کے تحت اخوت وبھائی چارے کے جذبے کی نشوونما کا درس دیا گیا تاکہ لوگوں میں بہبود عامہ کا تصور پیدا ہوا اور وہ ایک دوسروں کے کام آئیں۔ قرآن حکیم میں بے شمار مقامات پر بہبود عامہ کی ترغیب دی گئی۔ سورت آل عمران کی آیت نمبر92 میں ارشاد ہے

لن تنالوا البر حتی تنفقوا مما تحبون

"تم خیر بھلائی کو ہرگز نہیں پہنچ سکتے جب تک کہ تم اللہ تعالیٰ کی راہ میں وہ چیز خرچ نہ کرو جو تمہیں سب سے زیادہ پسند نہ ہو"

نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ بہبود عامہ کی ترغیب دی۔ آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

عن ابی ہریرہ وعن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا مات الانسان انقطع عنہ عملہ الا من ثلث صدقتہ جاریتہ او علم ینتفع بہ او ولد صالح یدعولہ۔

"حضرات ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا! جب آدمی مرجاتا ہے تو اس کا عمل منقطع ہو جاتا ہے مگر تین طرح سے (ثواب ملتا رہتا ہے) پہلا صدقہ جاریہ دوسرا علم نافع تیسرا نیک اولاد جو اس کے لئے دعاگو رہے۔" (بخاری کتاب الوقف)

بہبود عامہ کے ادارے

تاریخ اسلام میں میں بہبود عامہ کے بے شمار ادارے ملتے ہیں جو حسب ذیل ہیں

(1)- وقف کا ادارہ

(2)- مسجد کا ادارہ

(3)- مدارس اور کتب خانے

(4)- شفاخانے

(5)- سرائیں اور لنگر

(6)- تکیے

(7)- مسافروں کے لئے سبیلیں

(8)- حجاج کے لئے مکانات

(9)- کنوئیں

(10)- دفاع کا انتظام وانصرام

(11)- تجہیز وتکفین کا بندوبست

(12)- معاشرتی بہبود کے ادارے

(13)- سرکار کی طرف سے شادیوں کا بندوبست

(14)- ماؤں کے لئے مخصوص ادارے

(15)- قرضوں کی ادائیگی کا انتظام

(16)- بیت المال کا قیام

(17)- قرض حسنہ کا انتظام

(18)- صدقات کا نظام

(19)- صدقہ فطر

(20)- نظام زکوۃ

(21)- تربیت اطفال مراکز

(22)- دیوان عمر

(23)- حیوانات کے لئے مخصوص ادارے

اب ان اداروں کا ذکر کیا جائے گا اور وہ طریقے بتائیں جائیں گے جن کی وجہ سے بہبود عامہ کے میدان میں مسلمانوں نے کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔

(1)- وقف کا ادارہ

ڈاکٹر محمود الحسن عارف اپنی کتاب "اسلام کا قانون وقف مع تاریخ مسلم اوقاف" (مطبوعہ مرکز

تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور' 1994ء) کے صفحہ نمبر گیارہ پر لکھتے ہیں

"اوقاف کا ادارہ زندہ قوموں کے احساس قومی اور ملی جذبوں کا عکاس ادارہ ہے' اس ادارے سے معاشرے کے کمزور حصوں کو آب حیات ملتا ہے اور اس کے ذریعے قوم کی رگوں میں زندگی کے توانا جذبوں کی نشوونما ہوتی ہے"۔

مسجد نبوی ﷺ اسلام میں پہلا وقف تھا جو حضور ﷺ نے قائم فرمایا۔ اس کے علاوہ بے شمار مساجد وقف کی گئیں۔ حضرت ابو طلحہ انصاریؓ نے مدینہ منورہ میں اپنا باغ جسے بیرحاء کہا جاتا تھا وقف کر دیا۔ یہ باغ مسجد نبوی ﷺ کے بالکل سامنے واقع تھا۔ عہد خلافت راشدہ میں بے شمار وقف قائم ہوئے۔ اس کے بعد ترکی' پاک وہند' الجزائر' تیونس' مراکش' سعودی عرب' شام' مصر' فلسطین' عراق اور طرابلس وغیرہ میں ہزاروں وقف قائم ہوئے جن سے بہبود عامہ کا کام لیا گیا۔

(2)۔ مسجد کا ادارہ

بہبود عامہ کے اداروں میں مسجد کا ادارہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ حضور اکرم ﷺ نے مسجد نبوی ﷺ میں بیت المال قائم فرمایا۔ جو صدقہ آتا یا مال غنیمت تازہ تقسیم کر دیا جاتا۔ مساجد میں اہل حاجت آتے اور اپنی ضرورتیں پوری کرتے۔ خلفائے راشدینؓ کے بعد مسلم سلاطین نے اس ادارے کو مستحکم کیا مثلاً" ولید بن عبدالملک نے دمشق کی جامع اموی پر خطیر رقم خرچ کی اور اسے بہبود عامہ کا ایک اہم ادارہ بنا دیا۔

(3)۔ مدارس اور کتب خانے

اسلامی مدارس بڑی بڑی وقف جائیدادوں کی آمدنی سے قائم کئے گئے تھے۔ یہ اوقاف مختلف امراء' قائدین' علماء' تجار اور بادشاہوں نے قائم کئے تھے۔ مسجدوں سے ملحق مکاتب بھی قائم ہو گئے جہاں قرات' کتابت اور قرآن مجید کے علاوہ دیگر علوم کی تعلیم دی جاتی۔ تعلیم کے ذریعے بہبود عامہ کے شعبے میں مسلمانوں نے گراں قدر خدمات سرانجام دیں۔ تاریخ گواہ ہے کہ دمشق میں 400 سے زائد مدارس تھے۔ مدارس کے ساتھ کتب خانے بھی وقف کئے جاتے۔ ان کتب خانوں میں طلباء کو مفت رہائش اور اخراجات کی سہولت بھی دی جاتی مثلاً" مکتبہ خلفاء فاطمین قاہرہ' دارالحکمت' قاہرہ' بیت الحکمت بغداد' مکتبہ حکم اندلس وغیرہ۔

(4)۔ شفاخانے

بہبود عامہ کے اداروں میں مفت شفاخانے قابل ذکر ہیں جو مسلمانوں نے قائم کئے جبکہ اس دور میں یورپ میں شفاخانوں کی ابتر حالت تھی۔

مصطفیٰ سباعی اپنی تصنیف' اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو' (اردو ترجمہ اور معروف شاہ شیرازی' مطبوعہ اسلامک پبلی کیشنز' لاہور 1996ء کے صفحات 39-237 پر 1710ء میں پیرس کے ایک بڑے ہسپتال "اوتیل دیو" کے بارے میں ماکسی ڈورڈو اور ٹینوں کے حوالے سے تحریر کرتے ہیں۔

"اس ہسپتال میں 1200 بستر ہیں جن میں 486 بستر ایک ایک مریض کے لئے مخصوص ہیں۔ باقی بستر جن کی چوڑائی پانچ قدم سے زیادہ نہ ہوتی عام طور پر تین سے لے کر چھ مریضوں کے لئے ہوتے تھے' عمارت کے کمرے بدبودار اور مرطوب اور ہمیشہ تاریک رہتے تھے اور بغیر ہوا دار کھڑکیوں اور روشندانوں کے تھے جن میں ہر وقت قریباً" آٹھ سو سے زیادہ مریض زمین پر پڑے رہتے تھے۔ اگر اہل ثروت باہر سے کھانے پکا کر نہ بھیجتے تو مریض بھوک سے مر جاتے۔ بستروں پر کپڑے مکوڑے اور حشرات الارض بکثرت گردش کرتے۔ کمروں کی فضا اس قدر گندی اور ناقابل برداشت ہوتی تھی کہ خادم اور نرسیں اپنی ناکوں کو سر کے سے ترکئے ہوئے کپڑوں سے ڈھانپ کر بھی بمشکل اندر جا سکتے۔ اگر کوئی مریض مر جاتا تو اس کی لاش عام چارپائی سے کم از کم چوبیس گھنٹے تک نہ اٹھائی جاتی' بعض اوقات لاش پھول جاتی اور سڑ جاتی اور وہ اس چارپائی پر دوسرے مریض کے پاس ہی پڑی رہتی قریب ہوتا کہ اس سے اس غریب کا دم نکل جائے"

اس کے مقابلے میں ہم دیکھتے ہیں کہ ولید بن عبدالملک کے دور میں مسلمانوں نے پہلا ہسپتال قائم کیا جو جذام کے مریضوں کے لئے مختص تھا۔ ایسے مریضوں کے لئے وظائف مقرر تھے۔ اندھوں کے لئے بھی خاص وظیفے تھے۔ جذام کے مریض اور دیگر مریض ہسپتالوں میں رہتے۔ یہ ہسپتال "بیمارستان" کہلائے یعنی مریضوں کا گھر۔ حضور اکرم ﷺ نے گشتی شفاخانہ' غزوہ خندق کے موقع پر قائم فرمایا تھا۔ اسی روح کو قائم رکھتے ہوئے مسلمانوں نے مستقل شفاخانوں کے ساتھ ساتھ گشتی شفاخانے بھی بنائے۔ سلطان محمود سلجوقی کے دور میں گشتی شفاخانے اس قدر وسیع ہو گئے تھے کہ ان کا ساز و سامان چالیس اونٹوں پر لادا جاتا تھا۔ قرطبہ میں ایک وقت میں پچاس بڑے ہسپتال تھے۔ دمشق میں سلطان نور الدین شہید نے 1154ء میں نوری ہسپتال قائم کیا۔ یہ ہسپتال صرف غریبوں کے لئے مختص تھا۔ امیروں کو اس وقت داخلہ ملتا جب وہ مجبور ہوتے۔ ملک منصور سیف الدین قلاوون نے 1284ء میں اپنے محل کو ہسپتال میں تبدیل کر دیا اور وقف کر دیا۔ اس ہسپتال میں بے خوابی کے مریضوں کو خوش کن موسیقی سنائی جاتی اور ماہر قصہ گو دلچسپ قصے سنا کر مریضوں کو سلاتے۔ دیہاتیوں کے لئے دیہاتی ناچ بھی ہوتے۔ منصور ابو یوسف نے مراکش میں ایک ہسپتال قائم کیا جہاں کمروں سے بھی پانی کی نہریں گزرتیں۔ جب مریض فارغ ہوتا تو غریب ہونے کی صورت میں اسے کاروبار کے لئے سرمایہ بھی دیا جاتا۔ اس کے مقابلے میں مصطفیٰ سباعی نے جس ہسپتال کا ذکر کیا ہے وہاں اس قسم کے بہبود عامہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ مراکز کے ہسپتال میں سلطان ہر جمعہ کو مریضوں کی عیادت کے لئے خود جاتا اور مریضوں سے ڈاکٹروں اور نرسوں کے سلوک کے متعلق معلومات حاصل کرتا تھا۔

(5)۔ سرائیں اور لنگر

رفاہ عامہ اور بہبود عامہ کے سلسلے میں مسلمان بادشاہوں اور خلفاء نے سرائیں بنوائیں اور مفت لنگر خانے قائم کرائے۔ پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری اپنی تصنیف "سرمایہ دارانہ نظام' انشورنس اور اسلام کا نظام کفالت عامہ" (مرکز تحقیق دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور' 1991) کے صفحات 157-156 پر لکھتے ہیں

"حضرت عمرؓ نے اسی قسم کا ایک مہمان خانہ کوفہ میں

تعمیر کرایا تھا۔ ایک بڑا مہمان خانہ 17ھ میں مدینہ منورہ میں تعمیر کرایا۔ اور مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان بہت سی سرائیں تعمیر کرائیں"۔

6- تکئے

مسلمانوں کی روحانی فلاح کا بھی نظام تربیت قائم کیا۔ ایسے تکئے قائم کئے گئے جہاں بہت سے لوگ آبادی کے ہنگاموں سے الگ تھلگ اللہ کی عبادت میں مشغول رہا کرتے تھے۔ روحانی تربیت کو بھی بہبود عامہ کے شعبے میں شامل کرلیا گیا۔

(7)- مسافروں کے لئے سبیلیں

مسلمان حکمرانوں نے راستوں میں عام لوگوں کو پانی پلانے کے لئے سبیلیں لگوائیں۔ مسافروں کی لئے میٹھے پانی کے بے شمار کنوئیں کھدوائے گئے۔ نہر زبیدہ بھی اس ضمن میں بہبود عامہ کی ایک روشن مثال ہے۔

(8)- حجاج کے لئے مکانات

مکہ مکرمہ میں حجاج کے لئے مکانات تعمیر کروائے گئے تاکہ وہ مفت ان مکانات میں رہ سکیں۔ یہ مکانات دراصل وقف تھے جو صاحب ثروت لوگوں نے حجاج کرام کے لئے وقف کردیئے تھے۔ اسی وجہ سے قدیم فقہاء نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ مکہ مکرمہ میں مکانات کرائے پر نہیں دیئے جاسکتے کیونکہ یہ وقف کی جائیداد تھی۔ تاہم آج کل حاجیوں کی کثیر تعداد کے پیش نظر یہ نظام اب رائج نہیں۔

(9)- کنوئیں

مصطفیٰ سباعی اپنی تالیف "اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو" میں صفحہ نمبر 194 پر رقمطراز ہیں "گھاٹیوں میں کنوئیں کھودنا تاکہ مویشیوں' زراعت اور مسافروں کے کام آسکیں۔ یہ کنوئیں بغداد اور مکہ کے درمیان تھے نیز دمشق اور مدینہ کے درمیان نہایت کثرت سے تھے"

(10)- دفاع کا انتظام و انصرام

دفاع کو بھی بہبود عامہ کے زمرے میں شامل کیا گیا۔ سرحدوں پر محافظوں کے لئے چوکیاں تعمیر کرنا تاکہ اجنبی دشمن سرحدوں پر حملہ آور نہ ہو سکے ایک نیکی کا کام تصور کیا جاتا تھا۔ ان اداروں میں یہ سرحدی محافظ آرام سے رہتے انہیں کھانا' کپڑا' اسلحہ کا ذخیرہ اور دیگر سہولیات زندگی مہیا کی جاتی تھیں۔ گھوڑوں' تلواروں' نیزوں اور دیگر آلات جنگ کے اوقاف ہمیں تاریخ اسلام میں نظر آتے ہیں۔

(11)- تجہیز و تکفین کا بندوبست

فقراء اور مفلوک الحال لوگوں کی تجہیز و تکفین کے اخراجات کے لئے بھی قائم کردہ وقف ہمیں اسلامی تاریخ میں نظر آتے ہیں جن سے بہبود عامہ کا جذبہ نظر آتا ہے۔

(12)- معاشرتی بہبود کے ادارے

انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کی جلد 29 کے صفحہ 421 پر معاشرتی بہبود (سوشل ویلفیئر) کے موضوع پر گفتگو کی گئی ہے۔ فاضل مقالہ نگار کے مطابق معاشرتی بہبود کا بنیادی مقصد غربت کا خاتمہ' معذوروں کی امداد اور امراض کا انسداد ہے۔ اسلام نے اقلیتوں کے احترام کا حکم دیا' عمر رسیدہ اشخاص کی نگہداشت' جرائم پیشہ افراد کی بحالی' خواتین کے حقوق کی نگہداشت' محروم افراد کی بحالی' مریضوں کی عیادت' نوجوانوں کی بہبود' مہاجرین کی آباد کاری اور بھکاریوں کے مسئلے کو ختم کرنے کا حکم دیا۔ آقائے نامدار ﷺ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو خدمت خلق اور بہبود عامہ کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ آج کی دنیا مدر ٹریسا پر بجا طور پر فخر کرتی ہے جنہوں نے کوڑھ کے مریضوں کی بحالی کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ تاہم مسلم امہ کو بجا طور پر حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ جیسی عظیم امہات المومنین پر فخر ہے جنہوں نے 1400 سال قبل جنگ کے دوران زخمیوں کو پانی پلانے کا کارنامہ سرانجام دیا تھا۔ پڑوسیوں کے حقوق کا خیال' بیوگان کی کفالت اور یتیموں کی کفالت ہماری تہذیب کے درخشاں پہلو ہیں۔ اگر آج یورپ کو فلورینس نائٹ انگل پر فخر ہے تو ہمیں اسلام کی پہلی نرس اور بہبود عامہ کی داعیہ حضرت رفیدہؓ پر فخر ہے جنہوں نے مسجد نبوی کے قریب خیمہ لگا کر غازیوں کی مرہم پٹی کی تھی۔

(13)- بقول مصطفیٰ سباعی

"ایسے نوجوان لڑکوں اور کنواری لڑکیوں کی شادیوں کا بندوبست کرنے کے لئے اوقاف جن کے سرپرستوں کے لئے شادی کے اخراجات اور مہر کی رقم ادا کرنا مشکل ہو' کس قدر رحیمانہ تھا یہ جذبہ اور آج ہم اس کے کس قدر محتاج ہیں" (اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو' صفحہ 197)

(14)- ماؤں کے لئے مخصوص ادارے

تاریخ اسلام گواہ ہے کہ ایسے ادارے قائم کئے گئے جہاں ماؤں کو دودھ اور شکر فراہم کی جاتی۔ بہبود عامہ اور کفالت عامہ کے ان اداروں کے قیام کا مقصد اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرنا ہوتا تھا۔ سلطان صلاح الدین ایوبی نے اپنے قلعے کے دروازے کے پاس دمشق میں دو چشمے قائم کئے۔ ایک سے دودھ بہتا تھا اور دوسرے سے میٹھا پانی۔ چھوٹے بچوں کی مائیں ہفتے میں دو بار یہاں آتیں اور اپنے بچوں کے لئے ضرورت کے مطابق دودھ شکر لے جاتیں۔

(15)- قرضوں کی ادائیگی کا انتظام

اس سے زیادہ بہبود عامہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ قرضوں کی ادائیگی کا بھی انتظام اسلامی سلطنت میں ہو۔ حضور اکرم ﷺ قرض داروں کا قرض بھی ادا فرماتے۔ خلفائے راشدینؓ کے دور میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ سرکار دو عالم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

"پس جو شخص فوت ہو گیا اور اس پر قرض ہے اور اس نے کوئی چیز ایسی نہیں چھوڑی جس سے اس کی ادائیگی ہو سکے تو اس کی ادائیگی میرے ذمے ہے"۔
(مسند احمد بحوالہ ابو عبید' کتاب الاموال صفحہ 202)

(16)- بیت المال کا قیام

حضور ﷺ کے دور مبارک میں مسجد ہی بیت المال کا کام دیتی جہاں بہبود عامہ کے لئے رقوم تقسیم کی جاتی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ طور پر بیت المال قائم کیا۔ بیت المال سے مریضوں' اپاہجوں' بوڑھوں اور مسکین عورتوں اور بچوں کے وظائف مقرر کئے جاتے تھے۔ اسلامی نظام بہبود عامہ میں بیت المال کا شعبہ بڑی اہمیت کا حامل ہے۔ بقول ابو عبید

(کتاب الاموال' قاہرہ' 1354ء صفحہ 238)

"حضرت عمر بن الخطابؓ نے بیت المال سے دودھ چھڑائے بچوں' بوڑھوں اور بیماروں کے لئے وظائف مقرر فرمائے"۔

(17)۔ قرض حسنہ کا انتظام

اسلام نے قرضہ حسنہ کے ذریعے سود سے انسانیت کو محفوظ رکھا۔ سود بدترین' معاشی استحصال کا سبب بنتا ہے۔ بیت المال سے حضرت عمرؓ قرضہ حسنہ کا اجراء فرماتے۔ جب ضرورت پڑتی تو کوئی چیز مثلاً" شہد وغیرہ بیماری کی صورت میں لے لیتے اور پھر واپس کر دیتے۔

(18)۔ صدقات کا نظام

صدقات کا نظام بہبود عامہ کے لئے انتہائی مفید ہے۔ صحابہ کرامؓ صدقات لے کر مسجد نبوی میں حاضر ہوتے اور سرکار دو عالم ﷺ کے سامنے پیش کرتے۔ حضور ﷺ انہیں حاجت مندوں میں فوراً" تقسیم کر دیتے۔ صدقات کے نظام سے معاشرے سے غربت ختم ہوتی ہے اور خوشحالی آتی ہے۔

(19)۔ صدقہ فطر

صدقہ فطر سے بھی غریب اور مفلوک الحال لوگوں کی کفالت ہوتی ہے۔ عید الفطر سے پہلے اسے ادا کرنا ہوتا ہے تاکہ مساکین عید کی خوشیوں میں شامل ہو سکیں۔ فطرانے سے بھی غربت کا علاج کیا جاتا ہے۔

(20)۔ نظام زکوۃ

زکوۃ اسلام کے نظام بہبود عامہ کا ایک اہم ترین ذریعہ ہے۔ یہ ایک اجتماعی سوشل سیکورٹی سسٹم ہے جس سے معاشرے میں غربت ختم کی جاتی ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

مامنع قوم الزکوۃ الا ابتلاء هم الله بالسنین

"جو قوم زکوۃ نہیں نکالتی اللہ اسے قحط سالی میں مبتلا کر دیتے ہیں"۔ (جمع الفوائد' جلد اول' صفحہ 143 کتاب الزکوۃ)

ایک صحابی حضرت جریرؓ بن عبداللہ' روایت کرتے ہیں کہ میں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بیعت کی نیت سے حاضر ہوا تو آپ ﷺ نے تین باتوں کا حکم دیا۔ ایک نماز پڑھنا۔ دوسرے زکوۃ دینا اور تیسرے ہر مسلمان سے خیر خواہی کرنا۔"

(بخاری' الزکوۃ ص 188' جلد اول)

(21)۔ تربیت اطفال مراکز

حضور اکرم ﷺ کے عمل مبارک کے مطابق حضرت عمرؓ نے بچوں کی تربیت کی طرف خصوصی توجہ دی۔ آپ ﷺ نے بچوں کی تعلیم کے لئے اساتذہ مقرر فرمائے تاکہ ان کی بہتر تربیت ہو سکے۔ ان اساتذہ کو بیت المال سے تنخواہیں ملتی تھیں۔ اسی طرح حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے دیہاتی مسلمانوں کی تعلیم کے لئے بیت المال سے معلم مقرر فرمائے۔ آپؒ نے ان طلباء کے لئے جو کسب معاش سے قاصر تھے' وظائف مقرر فرمائے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ابن جوزی' سیرت عمر بن عبدالعزیز' مطبعہ الموید' قاہرہ 1331ھ صفحہ 84)

(22)۔ دیوان عمر

خلفائے راشدینؓ اور حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کے دور مبارک میں نومولود بچوں کو بھی وظائف ملتے تھے تاکہ وہ اپنے والدین پر بوجھ نہ بنیں۔ شروع شروع میں یہ وظیفہ 100 درہم تھا جو بڑھا کر زیادہ کر دیا گیا۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو' سید قطب' العدالتہ الاجتماعیہ فی الاسلام (اردو ترجمہ)' اسلامک پبلی کیشنز لاہور' 1969ء ایڈیشن' صفحہ 441)

(23)۔ حیوانات کے لئے مخصوص ادارے

حیوانات پر رحم و شفقت ہماری تہذیب کے درخشاں اور دلکش پہلوؤں کے سلسلہ کا ایک اہم موضوع ہے۔ زمانہ قریب تک دنیا اس بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی کہ حیوانات رحم و انصاف کے مستحق ہیں۔

رسول اکرم ﷺ نے حیوانات کو باہم لڑانے سے منع فرمایا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے نشان زدہ کرنے کے لئے ان کے چہروں کو آگ سے جھلسانے یا گرم سلاخوں وغیرہ سے داغنے سے منع فرمایا۔ حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ایسے محتسب مقرر کئے جو جانوروں کے خلاف ظلم کو روکتے۔

الغرض اسلامی تعلیمات کے مطابق بہبود عام کے زمرے میں نہ صرف انسان آتے ہیں بلکہ حیوانات بھی آتے ہیں۔

مصطفیٰ سباعی' "اسلامی تہذیب کے چند درخشاں پہلو" کے صفحہ نمبر 176 پر تحریر کرتے تھے۔

"قدیم اوقاف کی دستاویزوں میں ہمیں ایسے اوقاف کا سراغ ملتا ہے جو بیمار حیوانوں کے علاج کے لئے مخصوص تھے نیز ایسے اوقاف بھی تھے جو بوڑھے جانوروں کے چرنے کے لئے مخصوص تھے۔ انہی اوقاف میں سے دمشق کی "مرج اخضر" ہے جہاں آج کل بلدیہ نے کھیلوں کا میدان قائم کیا ہے۔ یہ چراگاہ ان بوڑھے گھوڑوں کے لئے وقف تھی جن کو ان کے مالکوں نے ازکار رفتہ سمجھ کر ان کی دیکھ بھال کرنا ترک کر دیا تھا۔ یہ گھوڑے وہاں چرتے رہتے تھے یہاں تک کہ مرجاتے۔ دمشق کے اوقاف میں ایک وقف بلیوں کے لئے مخصوص تھا یہ بلیاں وہاں کھاتی پیتی رہتی تھیں اور وہیں سو جاتیں۔ اس طرح وہاں سینکڑوں موٹی تازی بلیاں اپنے مخصوص گھر میں جمع ہو گئی تھیں۔ ان کو ہر روز وہاں کھانا دیا جاتا اور وہ بھی اچھل کود اور سیر و تفریح کے سوا کسی اور کام کے لئے وہاں سے حرکت تک نہ کرتیں۔

یہ سب کچھ اس قوم کی روح کو ظاہر کر رہا ہے جس نے حیوانات پر رحم اور رحیمانہ سلوک کی وہ مثال قائم کی ہے جس کی ہمیں پوری انسانیت میں کوئی نظیر نہیں ملتی" (صفحہ 176)

ہم نے اسلام کے تصور بہبود عامہ پر بحث کی۔ علاوہ ازیں تاریخ اسلام کے آئینے میں ان اداروں کا بھی ذکر کیا جو بہبود عامہ کے ضمن میں مد ثابت ہوئے۔ اب پاکستان میں بہبود عامہ کا عمل اور اس بارے میں مشکلات اور تجاویز کا جائزہ لیا جائے گا۔

پاکستان میں بہبود عامہ کا عمل

پاکستان میں حکومتی سطح پر' اداروں کی سطح پر اور انفرادی سطح پر بہبود عامہ کا عمل جاری ہے۔ پاکستان میں عبدالستار ایدھی جیسی شخصیات موجود ہیں جن کا مشن ہی خدمت خلق اور بہبود عامہ ہے۔ اس عمل میں بین الاقوامی اداروں کا بھی اہم کردار ہے مثلاً

(i)- یونیسف

(ii)- ورلڈ ہیلتھ آرگنائزیشن

(iii)- یونیسکو وغیرہ

پاکستان میں وقف کے ادارے بھی ہیں' بے شمار کتب خانے اور سکول نیز تعلیمی ادارے بھی ہیں' معاشرتی بہبود کے ادارے بھی بے شمار ہیں۔ زکوۃ اور عشر کا نظام بھی قائم ہے۔ وفاقی سطح اور صوبائی سطح پر بیت المال کا ادارہ بھی ہے۔ علاج معالجے کے لئے ہسپتال بھی ہیں مگر اس کے باوجود ہم بہبود عامہ کے میدان میں کماحقہ' ترقی نہیں کر سکے۔ ہم میں خدمت خلق کا جذبہ مفقود ہوتا جارہا ہے۔ معاشرے میں عجیب قسم کی بے حسی اور تغافل ہے۔ پاکستان اسلام کے نام پر حاصل کیا گیا۔ نظریہ پاکستان کے تحت پاکستان ایک فلاحی اسلامی ریاست بننا تھی مگر ایسا کیوں نہ ہو سکا؟ سیاسی عدم استحکام' معاشی بحران اور معاشرتی مسائل نے معاشرے میں عجیب سی کیفیت پیدا کر دی ہے۔ خواتین کے خلاف جرائم اور تشدد' بچوں کو عدم تحفظ' معاشرے میں ہر طرف غربت ہی غربت' دہشت گردی اور لاقانونیت نے زندگی انتہائی کٹھن کر دی ہے۔ بے شمار لاوارث' اپاہج اور مفلس لوگ ان ہاتھوں کے انتظار میں ہیں جو ان کے آنسو پونچھیں۔ تعلیم یافتہ طبقہ بھی بہبود عامہ اور خدمت خلق کے جذبے سے عاری ہے۔ یوں لگتا ہے ہم کردار سازی کماحقہ' نہیں کرپا سکے!

ڈاکٹر محبوب الحق نے ہیومن ڈیویلپمنٹ ان ساؤتھ ایشیا' آکسفورڈ یونیورسٹی پریس' نیو یارک' 1997ء میں تحریر کیا ہے کہ معاشرتی میدان میں پاکستان کی ترقی افسوسناک ہے۔ پاکستان میں 2/3 آبادی تعلیم سے عاری ہے اور 77 % جوان عورتیں ناخواندہ ہیں۔ پاکستان کی تیرہ کروڑ سے زائد آبادی اور بیرونی قرضہ جات کی ادائیگی ایسے سنگین مسائل ہیں جن سے بہبود عامہ کا شعبہ بری طرح متاثر ہو رہا ہے۔ پاکستان میں بہبود عامہ کے شعبے کو فعال بنانے کے بارے میں حسب ذیل تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(i)- پاکستان میں آبادی کو کم کیا جائے اور بیرونی قرضہ جات سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔ خود انحصاری ہمارا حل ہے۔ سیاسی اور معاشرتی استحکام بھی اس ضمن میں انتہائی ضروری ہے۔

(ii)- اسلام کا معاشی نظام اور نظام کفالت عامہ رائج کیا جائے۔ زکوۃ' صدقات' عشر اور خمس وغیرہ کے نظام کو بہتر بنایا جائے تاکہ معاشرے سے غربت ختم ہو بھکاریوں کو قانون سازی کے ذریعے محنت کرنے کا عادی بنایا جائے۔

(iii)- مساجد کے رول میں تبدیلی کی ضرورت ہے۔ پاکستان میں لاکھوں مساجد ہمارے تعلیمی نظام میں اہم کردار ادا کر سکتی ہیں۔ مسجد کے ادارے سے استفادہ کیا جائے۔

(iv)- پاکستان میں نظام تعلیم کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ ایسا نظام تعلیم ہو جو نظریہ پاکستان کی پاسداری کرے اور اس کا ترجمان ہو تب ہماری کردار سازی بہتر انداز میں ہو سکتی ہے۔ بہبود عامہ کے تصور کو نصاب تعلیم کا جزو بنایا جائے تاکہ خدمت خلق کرنے والے نوجوان ابھریں اور عوام الناس کی خدمت کریں۔

پروفیسر ڈاکٹر نور محمد غفاری کے الفاظ میں

"اسلام غریب کے ہاتھ میں کلہاڑا دیتا ہے' اس کے کاندھے پر رسی ڈالتا ہے اور جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر بیچنے کا حکم دیتا ہے تاکہ وہ گداگری کی لعنت یا چوری چکاری کی مذموم حرکات کا شکار نہ ہو گویا جدوجہد اسلام کا پہلا درس ہے۔

اسلام نے امیرالمومنین کے ذمہ لگایا ہے کہ اس کی سلطنت میں کوئی بھوکا ننگا نہ رہے۔ یہ اس فرض کا احساس تھا جو حضرت عمر کو رات جگا کر رعایا کی خبر گیری کے لئے گشت کراتا' خلیفہ کی کمر پر بوری لدوا کر غریب بڑھیا کے خیمہ تک پہنچاتا تھا۔ اسلام امیروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ غریبوں کی حاجت روائی کے لئے خود ان تک جائیں اور اگرچہ اسلام کے نظام حکومت کو بہت کم عرصہ ملا مگر اس نے ایسا کر کے دکھایا ہے۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلتا ہے کہ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے کوفہ میں ایک عالی شان محل بنایا ہے جس میں ایک ڈیوڑھی ہے۔ آپؓ اس خیال سے کہیں ڈیوڑھی ان کے اور اہل حاجت کے کے درمیان آڑ بنتی ہو حضرت محمد بن مسلمہؓ کو روانہ کرتے ہیں کہ وہ اس کو آگ لگائیں۔ محمد بن مسلمہؓ آگ لگا دیتے ہیں اور حضرت سعد چپکے سے دیکھتے رہے (بحوالہ شبلی نعمانی' الفارق' مکتبہ صدیقہ' 1968' ص 167) اس واقعہ سے حاجت مند کی اہمیت کا اندازہ

جمہوریت کی آتما

روبینہ نصیر

مل کے بیٹھے ہیں تو کریں آج نچھاور دل کو
آؤ اس در پہ کبھی خود سے ملاقات کریں

پہلے اس در کا جائزہ لیں جس سے گزر کر ہم پاکستان میں داخل ہوئے اس پھاٹک کا نام جمہوریت تھا اس پر جو گھر تعمیر ہوا اس کا نام "اسلامی جمہوریہ" رکھ دیا گیا تاکہ زخم خوردہ مسلمانوں کے دلوں میں سمایا ہوا کلمہ لاالہ الا اللہ منزل کے گمان میں سکون کی نیند سو جائے۔

دشمن اسلام جمہوریت کے چور دروازے سے داخل ہوتا ہوا نئی نسل کی پناہ گاہ میں داخل ہو گیا۔ لا الہ الا اللہ کی صدا شاطرانہ پھندوں میں گھٹ کر رہ گئی اور اس گھر کی چار دیواری میں صرف جمہوریت کی آتما نے اپنے قدم جما لئے اور اس کا تقدس کہیں شانہ بشانہ چلنے کی خواہش میں دم توڑ گیا۔ کہیں ثقافت کی احساس کمتری میں ہندوستان اور ہالی وڈ پرواز کر گیا۔ کہیں مدارس کی پراسرار دنیا میں عزت کی موت مر گیا۔ کہیں آستانوں پر قربان ہوا تو کہیں ظلم و بربریت کے ہاتھوں عزت سے محروم اور قتل ہو گیا۔

یہ وہ سحر تو نہیں جس کی آرزو لیکر
چلے تھے یار کہ مل جائے گی کہیں نہ کہیں

جمہوریت کے ساتھ "اسلامی" کا اضافہ اس پر تو کئی سوالات اٹھتے ہیں وقت محدود ہونے کی وجہ سے میں صرف ایک سوال اور اس کی حقیقت واضح کرتی ہوں۔ سوال یہ ہے کہ کیا ہم جمہوری طرز سیاست کے ذریعے اسلام کی منزل پا سکے!

ساتھیو! اس نظام میں عقل و خرد نے آزاد ریاست کے افراد کو اتنی آزادی فراہم کی کہ اس پر عرش بھی کانپ اٹھا ہو گا۔

تحریک پاکستان کی سادہ، گھریلو اور اسلامی ماحول کی عورت کا سفر "اسلامی جمہوریہ" کے آزاد سیاسی راستے پر اسلام کو خیرباد کہہ کر صرف جمہوریت پر تن من اور دھن کی قربانی دینے پر ختم ہو گیا۔ جمہوریت کے بے لگام گھوڑے نے عورت کو میدان سیاست کی پر فریب وادیوں میں گھما پھرا کر اقتدار کی کرسی پر لا بیٹھایا کسی نے کیا خوب کہا تھا۔

گر حکومت کر رہی ہیں عورتیں
سوچئے تو ان میں ان کا دوش کیا
یہ تو مدت سے ہیں مسجد میں مکیں
مفتی صاحب ہیں بہت ہی پارسا

بات یہاں آکر ہی اگر ختم ہو جاتی تو پھر بھی شاید حالات کا رخ اس خطرناک موڑ سے واپس مڑ جاتا مگر دشمن نے اکثریت حاصل کرنے کا جو نسخہ پاکستان کی بنیادوں میں ڈالا تھا اس نے نفس کے پجاریوں کو اقتدار کے حصول کا لالچی بنا دیا۔ گنتی میں اضافہ کرنے کے متوالے شرافت کا جگر چیرتے۔ غریب کا جنازہ نکالتے اسلامی اقدار کو پامال کرتے ہوئے۔ مجبور و بے کس ڈمیوں کی گنتی پر۔ بھوکے نادار اور مفلس لاشوں کی گنتی پر ہوس و حرص کے پجاریوں کی گنتی پر ابن الوقت ضمیر فروشوں کی گنتی پر غلام ذہن درباریوں کی گنتی پر اقتدار کے حصول کا کھیل کھیلتے رہے۔

سود خوری ان کی بنیاد اور بے ایمانی ان کا شعار کہلائی۔ حالات نے یہ ثابت کر کے دکھایا کہ جمہوریت اور کرسی کے بیچ ایک پراسرار اندھیری وادی ہے جس میں اسلام کی روح کو دفن کر کے ہی آنا پڑا آج بھی جو عقل و علم کے شہنشاہ اس معلوم شدہ دھوکے کی طرف دوڑ رہے ہیں اور اپنے حقیقی صراط مستقیم سے ہٹ کر افراد کی گنتی اور حمایت پر تکیہ کئے بیٹھے ہیں ان کی دیدہ دلیری اور سینہ زوری پر ماتم کرنے کو جی چاہتا ہے۔

حق و صداقت کی پکار تم کو اطلاع دے رہی ہے کہ تمہارے اعمال کے احتساب کا وقت قریب آنے والا ہے۔ خلوص ضائع نہیں جائے گا۔ نوجوان جذبہ ضرور رنگ لائے گا۔ معصوم خون بہہ کر فضا کے تیور بدل ڈالے گا۔ مگر تمہیں ان امانتوں کا حساب دینا ہو گا۔ تم نے ہر بار اس گرم پرجوش خون کو اپنی ذات کی بقا کی خاطر کبھی جمہوریت کے چرنوں پہ قربان کیا اور کبھی اپنے گھر اور اپنے مورچے سے دور لے جا کر دشمن کے حصار میں ہاتھ پیر باندھ کر پھینک دیا۔

ظالمو! شاندار ماضی لوٹ کر آئے گا اور نور نبوت کی روشنی تمہارے اعمال کی تاریکیوں کو بے نقاب کر دے گی۔

اب رہی بات یہ کہ اسلام اس سرزمین پر کس کے پاس ہے؟ مولوی کے پاس اس کی قیمت کیا ہے ایک مسجد یا مدرسے پر حکومت اور من مانی اس کی حیثیت کیا ہے روٹی کیلئے محکومی اور غلامی۔

اسلام کا ایک اور کردار جو مقبول عام ہے "گدی نشین" اصلی صوفیوں کے نقلی جانشین یہاں پر دونوں ہاتھوں سے عوام پر فیض مردنی لٹایا جا رہا ہے۔ مجاہدانہ حرارت رہی نہ صوفی میں نشانہ بے عملی کا بنی شراب الست دوسری طرف ہوس اقتدار روپ بدل بدل کر سامنے آتی رہی جس کی گود میں دشمنی، لالچ، نفس پرستی، مغرب پسندی اور ایمان فروش مذہبی دکانیں پل بڑھ کر جوان ہو چکی ہیں۔

کہیں جرم کرنے کے اجازت نامے جاری کئے جاتے ہیں کہیں دانش فرہنگ اور فن یہود و ہنود کو "سب ٹھیک" کی ڈگڈگی بجانے پر ایوارڈ تقسیم کئے جاتے ہیں۔ صرف اس خوف سے کہ کہیں پاکستان کی بنیادوں میں غیرت مندی کا بہتا ہوا خون جوش نہ مار اٹھے۔ کسی گوشے سے حق و صداقت کی کوئی چنگاری نہ سر اٹھا لے۔

لیکن تمہیں کیا معلوم کہ اسلام تو زینبؓ کی حیات جاوداں کا نام ہے وہ صبر و استقامت کا پیکر کوفہ کی گلیوں اور یزید کے دربار کو قیامت تک گواہ بنا گیا اس حقیقت پر کہ منافقین خواہ قیامت تک کربلا سجاتے رہیں دین برحق کا سر اور بلند ہو گا اور اس حقیقت سے انکار کرنے والے خود اپنے اعمال کا شکار ہو جائیں گے۔ اسلام کی اس مجاہدہ کی آواز نام نہاد فتووں اور مصلحت کوش پرہیز گاروں کے علم کا سینہ چاک کرتی منافقت بھرے ایوانوں کی موت ہے۔

انشاء اللہ! وہ دن دور نہیں جب تم اقتدار کے نشے میں مست لاکھوں کی گنتی کرتے رہ جاؤ گے۔ مکر و فریب کے سراب میں بھٹکتے رہ جاؤ گے۔ منافقتوں کے لبادے سنبھالتے رہ جاؤ گے کیونکہ!

اللہ رب العزت نے تمہاری گنتیوں کے مقابلے میں کسی کے دل کا درد تول رکھا ہے۔ اس قلب اطہر کے پرتو قلب میں آدھی صدی کے کرب کا ایندھن ہے۔ اس پاک زمین پر ہونے والے ہر ہر ظلم پر کئے جانے والے صبر کی حدت ہے۔ اس قلب کی آنکھوں میں عشق نبی میں ڈوبے آنسوؤں کا وہ سیلاب ہے جو باطل نظام کو تنکے کی طرح بہا کر لے جائے گا۔ اس قلب کی گہرائی میں عرش معلی کی وہ نور بھری وسعتیں ہیں جو ایک عالم کے ظلمات کو مٹا ڈالیں گی۔ اس قلب پر رحمت عالم کی مہر نبوت ثبت ہے جو وقت کے قیصر و کسریٰ کی حکمرانیوں کی موت کا پروانہ ہے۔

شمع جل اٹھے تو پروانوں کو آکر دیکھنا
موت کا اپنی وہ خود سامان کرتے جائیں گے

لام

خطاب امیر محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ وقال فرعون یاایھا الملا ما علمت لکم من الہ غیری ج فاوقدلی یھامن علی الطین فاجعل لی صرحا" لعلی اطلع الی الہ موسٰی لا وانی لاظنہ من الکذبین ○ واستکبر ھوو جنودہ فی الارض بغیر الحق وظنو انھم الینا لا یرجعون ○ فاخذنہ وجنودہ فنبذنھم فی الیم ج فانظر کیف کان عاقبتہ الظلمین ○ وجعلنھم ایمتہ یدعون الی النار ج ویوم القیمتہ لا ینعرون ○ واتبعنھم فی ھذہ الدنیا لعنتہ ج ویوم القیمتہ ھم من القبوحین ○

سورۃ القصص ہے بیسواں پارہ اور ساتویں رکوع کی آخری آیات میں نے آپ کے سامنے تلاوت کی ہیں۔ یہاں ایک واقعہ' ایک تاریخ' ایک حقیقت اس غرض سے بیان فرمائی جارہی ہے کہ سننے والے اسے مشعل راہ بنالیں۔ اب یہ سمجھ لیں کہ افعال کے نتائج کس طرح سے مرتب ہوتے ہیں یعنی جب بھی اور جو کوئی شخص بھی جیسا عمل کرے گا اس کا نتیجہ بالکل ویسا ہی مرتب ہو گا۔ کیونکہ بنیادی طور پر قرآن کریم کا موضوع تاریخ نہیں ہے قرآن کے ذمہ یہ بات نہیں ہے کہ یہ تاریخی واقعات بیان کرے یا حالات کی سند بیان کرے قرآن کریم جب واقعات بیان فرماتا ہے تو مراد یہ ہوتی ہے کہ پہلے لوگوں نے جب یہ کام کیا تو اس پر یہ نتیجہ مرتب ہوا اگر خدانخواستہ تم بھی وہ کام کرو گے تو ویسے ہی نتائج کی امید رکھو یا جب کسی کی مدح کرتا ہے تو کسی کا حسن عمل بیان فرماتا ہے اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ اس شخص نے یہ نیکی کی اور یہ انعام مرتب ہوا' تم بھی ہمت کرو اور اللہ سے توفیق چاہو تاکہ تم بھی ایسے ہی انعام سے نوازے جاؤ۔

یہاں فرعون کا اور اس کے اہل دربار کا وہ ردعمل بیان ہو رہا ہے جو موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو کرنے کے بعد پیدا ہوا۔ چونکہ ایک عرصے تک یہی بات چلتی رہی کہ جب بھی وہ تنہائی میں بیٹھے ہیں' آپس میں بیٹھے ہیں' فرعون ہے یا اس کے اہل دربار ہیں تو ان کی سوچ کیا تھی ان کا ردعمل موسیٰ علیہ السلام کی تعلیمات پر کیا تھا اور وہ اسے کس نگاہ سے دیکھ رہے تھے وہ ردعمل جو تنہائی میں اپنے طور پر اپنے لوگوں میں بیٹھا ہوا فرعون بیان کرتا ہے اس کو یہ آیت کریمہ بیان کرتی ہے۔

وقال فرعون یاایھاالملا ..... الہ غیری وہ اپنے اہل دربار سے کہتا ہے دیکھو میرے علم میں کوئی ایسی دوسری ہستی تمہارے سامنے نہیں ہے جسے میرے علاوہ تم اپنا معبود تصور کر لو یعنی عبادت اس لئے کی جاتی ہے کہ وہ ہستی جس کی عبادت کی جائے وہ اس مقام کی اس شان کی حامل ہے اس کی شان ایسی ہے اس کی ذات ایسی ہے کہ اس کی عبادت کی جائے۔

عبادت دراصل دل کی ایک کیفیت کا نام ہے حقیقت میں عبادت انسان کے اندر کی ایک کیفیت ہے جب اس کے سامنے ایک ایسی ہستی آئے جو اس کے وجود کی خالق بھی ہو' وجود کی تربیت کرنے والی بھی ہو' وجود کو باقی رکھنے والی بھی ہو اور اس کی ذات پر جو مصیبت آئے یا اسے جو لذت نصیب ہو اس کے تمام حالات پر اس کی قدرت کاملہ کی گرفت ہو اور خود وہ اپنی ذات کے لئے کسی کی محتاج نہ ہو۔ اگر کوئی کسی پر بڑا مہربان بھی ہے لیکن ذات کے لئے پھر کسی کا محتاج ہے تو وہ عبادت کا مستحق نہیں ہو سکتا۔ علم میں' قدرت میں' دینے میں' نہ دینے میں' عطا کرنے یا روک لینے میں' بنانے یا نہ بنانے میں بالکل اپنی رائے کا خود مالک ہو اور اپنے ارادے سے خود کرنے پر قادر ہو۔ یہ صفات صرف اور صرف اکیلے خالق کی ذات میں ہیں اور کہیں نہیں ہیں۔ مخلوق خواہ کسی درجہ پر بھی ہے وہ خود محتاج ہے اور گناہ کا فلسفہ بھی یہی ہے۔

فرعون کی سوچ ذرہ گہری چلی گئی وہ یہ سوچ رہا تھا کہ ملک میرا ہے حکومت میری ہے ان کو اگر دربار میں جگہ دی ہے تو میں نے دی ہے۔ ان کو لاکھوں کروڑوں روپے دیتا ہوں تو میں دیتا ہوں ان کی شان وشوکت شکوہ عزت سب کچھ میرے دم سے قائم ہے تو جب انہیں یہ سب کچھ میں نے دے رکھا ہے تو کسی دوسرے کو کیا حق حاصل ہے کہ یہ اس کی عبادت کریں' اس کیا اطاعت کریں اور اس کے سامنے سر تسلیم خم کریں تو وہ کہنے لگا کہ اے میرے اہل دربار! میرے علم میں کوئی ہستی نہیں آئی کہ تم مجھے چھوڑ کر اس کی پوجا کرنے لگو پھر خود ہی وہ تجویز کرتا ہے۔

وہ کہتا ہے کہ موسیٰ جس خدا کا پتہ دیتا ہے وہ مجھے زمین پر نظر نہیں آتا' اردگرد نظر نہیں آرہا' میں کسی ذات کو اپنے سے مخاطب نہیں پاتا میرے سامنے کوئی وجود نہیں ہے شاید جہاں تک ہماری نگاہ نہیں پہنچ رہی ہمارا آنا جانا نہیں ہے ان بلندیوں میں کہیں بہت اوپر شاید ہو اگر ایسا ہو تو اے ہامان تو ایسا کر کہ گارے سے پتھر اور سل کی شکل بنا کر اسے آگ میں گرم کر کے مضبوط کرلے (یہ اینٹ جو ہے' یہ فرعون کی ایجاد ہے (چلو کوئی تو دنیا کو ایسی بات دے گیا جس نے تعمیرات میں لوگوں کا ہاتھ بٹایا) ہامان تو

ایسا کر' گارے کی سلیں بنا لے اور آگ میں خوب پکالے اور فاجعل لی صرحا اور بہت اونچا ایک بلند مکان بنا۔ اس کی کئی منازل اوپر بنا تا چلا جا۔ اسے بلندی پر لے جا۔

لعلی..... موسیٰ اتنا اونچا لے جا جس پر کھڑے ہو کر میں موسیٰ کے خدا کو جھانک تو سکوں' پتہ تو چلے کہ کہاں ہے؟ کیسا ہے؟ کیسا اس کا دربار ہے کیا کرتا ہے کس مرتبے سے موسیٰ اس کی طرف دعوت دیتا ہے؟

آپ یہ گمان نہ کریں کہ فرعون کتنا جاہل تھا فرعون جاہل نہیں تھا فرعون لوگوں کو بے وقوف بنا رہا تھا وہ خوب جانتا تھا کہ جس خدا کی طرف موسیٰ دعوت دے رہا ہے اسے جھانکنے کے لئے کسی بلند مقام پر کھڑا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ خود اپنے وجود میں جھانکنے سے اس کی ذات نظر آجاتی ہے۔ ہر متنفس کو ہر انسان کو اس نے ایسی ضرورتیں ایسی مجبوریاں لگا دی ہیں کہ انسان یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ کوئی ہستی ہے جو خود میرے وجود کو زندہ رکھ رہی ہے۔ فرعون یہ خوب جانتا تھا کہ موسیٰ علیہ السلام کی دعوت ہی یہ تھی کہ میں اس خدا کی طرف بلاتا ہوں جو تمہارا' تمہارے آباؤ اجداد کا' اس کائنات کا رب ہے۔ اور فرعون بھی یہ خوب سمجھتا تھا کہ کھانے میں' اٹھنے میں' بیٹھنے میں' سونے جاگنے میں' بیمار اور صحت مند ہونے میں میری حکومت اور سلطنت کو کوئی دخل نہیں۔ کوئی اور ہے جو مجھے بیماری بھی دے دیتا ہے' کوئی اور ہے جو مجھ پہ نیند بھی مسلط کر دیتا ہے' مجھے بیدار بھی کر دیتا ہے کوئی اور ہے جس نے مجھے حکومت دے رکھی ہے اور وہ مجھ سے چھین بھی سکتا ہے اگر ایسی بات نہ ہوتی تو جب موسیٰ علیہ السلام نے بات کی تھی تو وہ انہیں کیڑے کی طرح مسل کر رکھ دیتا' وہ انہیں اسی وقت قتل کرا دیتا' تہ تیغ کرا دیتا' ان کی گردن اڑا دیتا۔ وہ فرعون جو موسیٰ علیہ السلام کی پیدائش سے پہلے کم وبیش 75 ہزار بچے قتل کرا چکا تھا نجومیوں کے کہنے پر کہ ایک بچہ پیدا ہوگا وہ اللہ کا نبی ہوگا تیری خدائی کو غرق کر دے گا تو وہ فرعون اتنا نادان تو نہیں تھا کہ وہ اس دن ہامان کو کہہ رہا ہے کوئی بڑا سا مینار کوئی مکان سا تعمیر کرلے اس پر کھڑے ہو کر دیکھوں تو سہی کہ موسیٰ کا خدا بھلا ہے کہاں۔

وہ خود جانتا تھا لیکن اپنے ماننے والوں کو بے وقوف بنا رہا تھا اور وہ بھی محض ایک ایسی دلیل سے جس سے وہ خود واقف تھا کہ اس میں کوئی وزن نہیں ہے لیکن محض اپنے ماننے والوں کو ان کی جہالت پہ کھڑا رکھنے کے لئے ایک ایسے خدا کی طرف متوجہ کر رہا تھا جو فرعون ہی کی فوٹو کاپی ہو اسی کی طرح مجسم ہو اس کی طرح اس کا دربار ہو اور وہاں سے اس طرح کی توقعات لوگوں کو مل رہی ہوں تو کہنے لگا کہ زمین پر تو مجھ جیسا کوئی نظر نہیں آتا اگر فضا میں یا زمین سے بالا کوئی ہو تو مینار بنا کر دیکھتے ہیں تو اس طرح سے گویا وہ وجود باری کا انکار کر رہا تھا اور اپنے اس انکار کو اتنے فراڈ کے بعد اس نے بیان کر دیا۔

وانی لاظنہ من الکاذبین اگرچہ میں تو موسیٰ کو (معاذ اللہ) جھوٹا نبی سمجھتا ہوں میں سمجھتا ہوں یہ جھوٹ بول رہا ہے حالانکہ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ جھوٹ نہیں بول رہا۔ اگر وہ جانتا ہوتا کہ یہ جھوٹ بول رہا ہے تو وہ دوبارہ زبان کھولنے کی اجازت نہ دیتا موسیٰ علیہ السلام کو۔ وہ یہ جانتا تھا کہ یہ اللہ کا نبی ہے اور میں اس کے قتل پر قادر نہیں۔ جب موسیٰ علیہ السلام مصر سے نکلے بنی سرائیل کو لے کر' پیچھے فرعون نکلا تو سامنے جب سمندر آگیا پیچھے سے گرد اٹھتی تھی فرعون کے لشکریوں کی تو بنی اسرائیل کہنے لگے کہ موسیٰ تو نے ہمیں مروا دیا آگے تو سمندر ہے جس میں کوئی سمندری جانور بھی زندہ نہیں چھوڑتا اور پیچھے فرعون کا لشکر ہے اب ان کے الفاظ نقل کرتا ہے قرآن کریم کہ اے موسیٰ تیرے آنے سے پہلے ہم ذلیل ورسوا تھے اور تیری بعثت نے بھی ہمیں ذات اور رسوائی کے سوا کچھ نہیں دیا اب بتا ہمارے لئے اب کونسا راستہ ہے۔

تو موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ان معی ربی سیھدین یہ تمہیں میں نہیں لایا یہ میرے رب کا حکم ہے اور میرا رب میرے ساتھ ہے وہ خود راستہ پیدا کر دے گا یہ وہی جانتا ہے جس نے ہمیں مصر سے نکلنے کا حکم دیا ہے اور وہ خوب جانتا ہے کہ فرعون پیچھے ہے دریا آگے ہے اب وہ قادر ہے اگر وہ چاہے تو ہمیں فرعون کے لشکر میں راستہ دے دے یا ہمیں دریا میں سے راستہ دے دے یہ اس کی مرضی ہے اور وہ کرے گا۔

یہاں ارشاد ہوا کہ اے موسیٰ آپ اپنا عصا سمندر پر ماریں تو مفسرین لکھتے ہیں کہ اس طرح سے پھٹا تھا سمندر کہ بارہ قبیلے تھے تو بارہ راستے بن گئے قرآن کریم کہتا ہے پانی اس طرح کٹ گیا بڑی بڑی چٹانوں کی طرح سالڈ ٹھوس بن کر اور راستے درمیان سے ظاہر ہو گئے بنی اسرائیل کیلئے' تو فرعون جب وہاں پہنچا تو مفسرین اسی واقعہ کو بیان فرماتے ہیں محدثین نے بھی اس واقعہ کو لیا ہے نبی کریمؐ نے بھی اس کی شرح فرمائی ہے کہ جب فرعون کنارے پر پہنچا تو اس نے گھوڑا روک لیا وہ جانتا تھا کہ یہ موسیٰ کے بس کی بات نہیں ہے کہ سمندر کو پھاڑ دے اور خشکی نکال دے درمیان سے اور راستے بنا دے اور اس کی فوج پار چلی جائے یہ کام موسیٰ کا نہیں ہے یہ کام رب العالمین کا ہے لیکن وہ اس حد تک جا چکا تھا جہاں سے واپسی ممکن نہیں ہوتی۔

انسان خطا کرتا جاتا ہے کرتا چلا جاتا ہے اس تیزی میں بھاگتا چلا جاتا ہے گناہ کی ذلت میں حتی کہ اسے ہوش نہیں رہتا اور وہ اتنی گہرائی میں چلا جاتا ہے کہ اگر وہ چاہے بھی تو واپس نہیں آسکتا فرعون کا تماشا بھی یہی تھا کہ وہ اس تیزی میں بھاگتا ہوا اتنا دور جا چکا تھا جہاں سے واپسی کا راستہ نہیں تھا تو جب اس نے سوچنا چاہا تو اللہ نے جبرائیل امین کو حکم دیا وہ گھوڑی پر سوار اس کے گھوڑے کے پاس سے گزرے تو وہ کیونکہ اسپ تازی تھا وہ گھوڑی کی بو پر اس کے پیچھے بھاگا تو وہ اس کے روکے بھی نہ رکا وہ سمندر میں کود گیا اور سارا لشکر اپنے شہنشاہ کو دیکھ کر کود پڑا تو جب سب سمندر میں کود پڑے تو پانی آپس میں مل گیا۔ قرآن کریم نقل کرتا ہے کہ اس وقت

فرعون نے کہا کہ میں توبہ بھی کرتا ہوں اور میں ایمان بھی لاتا ہوں۔

امنت برب موسیٰ ہارون اس نے کہا میں اسی رب کو مانتا ہوں جس کو موسیٰ اور ہارون مانتے ہیں تو اللہ کریم کی طرف سے ارشاد ہوا الان وقد کنت من الکافرین اب تو مانتا ہے اب تیرے ماننے کا وقت بیت چکا جب تیرے پاس وقت تھا تو اس وقت مانتا' اس وقت تو انکار کرتا تھا اور تو ایسا ظالم ہے کہ تو جانتا تھا خدا کی قدرت عظیم ہے اور خدا ہی رب ہے کائنات کا تو صرف یہ کہ خود نہیں مانتا تھا بلکہ دوسروں کو نہ ماننے کے دلائل بھی فراہم کرتا ہے۔ دوسرے لوگوں کو گمراہ کرتا تھا۔ اب جتنے لوگوں کو تو نے گمراہی میں دھکیلا ہے وہ تو غرق دریا ہوں اور تو اکیلے توبہ کرلے یہ کیسے ممکن ہے یہ کہاں کا انصاف ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے بڑا عجیب کہ ایک عام آدمی تو شاید یہاں سے آسانی سے گزر جائے مگر تدبر والا آدمی تو سوچتا ہے کہ یہ کیا بات ہے کہ ابھی وہ مرا نہیں زندہ ہے' وہ کہتا ہے کہ اے اللہ میں توبہ کرتا ہوں' تجھ پر ایمان لاتا ہوں' اس کا ایمان قبول کیوں نہیں ہوتا۔ کسی بھی کافر کے لئے مرنے سے پہلے توبہ کا دروازہ تو کھلا ہے تو اس غریب نے جو توبہ کی تو کیوں قبول نہیں ہوتی تو غالباً" اس کا سبب یہی ہے کہ یہ جو لاکھوں افراد غرق ہو کر دوزخ جا رہے ہیں ان کو بھی دلائل دینے والا یہی ہے اب اس کی توبہ بھی یہ ہے کہ ان سب کو بتا دے کہ میاں مانو یا نہ مانو تمہاری مرضی حق یہ ہے کہ موسیٰ کے خدا کو ماننا چاہئے تو شاید اس کی توبہ قبول ہوتی اس کی توبہ بھی رد نہ ہوتی۔ لیکن ایک خلق خدا کو تو وہ یہ دھکا دیتا رہا کہ میاں اینٹوں کا ایک مکان بناؤ ایک اونچا محل بناؤ اور بڑا سا ایک مینار بناؤ ..... الہ موسیٰ وہاں چڑھ کر دیکھتے ہیں کہ کہیں موسیٰ کے خدا کا وجود ہے کہیں۔ اور بغیر دیکھے کے وہ ساتھ ہی اپنا نتیجہ بیان کر دیتا ہے وانی لاظنہ من الکاذبین میں تو یہ سمجھتا ہوں وہ جھوٹ بولتا ہے کوئی ایسی بات نہیں ہے تو پھر جب قوم کو دھوکا دے کر وہ لے گیا تو جب لوگ ڈوب چکے تو اسے خیال آیا کہ میں کیوں نہ توبہ کرلوں تو ارشاد ہوا کہ میاں جب توبہ کا وقت تھا تو تو اس وقت نہ صرف خود ڈوبا بلکہ دنیا کو ڈبو دیا اب تیری توبہ کا وقت نکل چکا اب باز تیرے ہاتھوں میں نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں واستکبر ھو وجنودہ فی الارض بغیر الحق۔ ناحق طور پر اس نے اور اس کے ماننے والوں نے اس کے لشکریوں نے تکبر کیا اپنے آپ کو منوانا چاہا وظنو آ انھم الینا لا یرجعون ان کا گمان یہ تھا کہ یہ قیامت والا چکر ہی سرے سے نہیں ہوگا۔ کوئی نہیں پوچھے گا زندگی ہے گزر جائے گی پھر دیکھا جائے گا۔

فاخذنہ وجنودہ اللہ کریم فرماتے ہیں میں نے اس کو پکڑا اس کے ساری لاد لشکر کو پکڑا فنبذنھم فی الیم اور انہیں ایک طوفان کے سپرد کردیا۔

فانظر کیف کان عاقبتہ الظالمین۔ اے مخاطب تو خود اندازہ کرلے کہ ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے اور ظالم بالآخر کس انجام سے دوچار ہوتے ہیں اس سے آگے ان ظالموں کا انجام ارشاد ہوتا ہے' متکبرین کا انجام ارشاد ہوتا ہے اللہ کریم ارشاد فرماتے ہیں۔

وجعلنھم ایمتہ یدعون الی النار ایک ہوتی ہے خطا یعنی گناہ کرنا یہ تقاضائے بشریٰ ہے۔ غلطی میں کوئی گناہ کر بیٹھنا اور پھر اس خطا پر ندامت ہو کہ مجھے یہ نہیں کرنا چاہئے تھا' میں نے برا کیا ہے۔ ندامت وہ ندامت ہے جو اس خطا کے ازالے پر منتج ہو یعنی کسی کا مال ناجائز لے لیا' ظلماً" لے لیا' چھین کر لے لیا یا چوری لے لیا تو اب اس کی ندامت یہ ہے کہ ہم وہ مال اس کو واپس پہنچانے کی کوشش کریں تو ہمیں ایک بات سمجھ لینی چاہئے ہمارے اندر جو ضمیر نام کی کوئی چیز ہے اس نے ہمیں ازالے پر مجبور کر دیا۔ ایک گناہ ہوتا ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ اس پر ندامت نہیں ہوتی یہ خطا جو ہے یہ گناہ ہے لیکن گناہ کی وہ قسم ہے۔ جو مومن سے بھی صادر ہو سکتی ہے ایک گناہ کی وہ قسم ہوتی ہے جس کے ساتھ ندامت نہیں ہوتی اور جس پر تکبر کیا جاتا ہے یہ ایمان کی نہیں یہ کفر کی نشانی ہے۔ فرعون کو آپ چھوڑیں خود اپنے معاشرے میں آپ دیکھیں ایک آدمی قتل کرتا ہے' ناجائز کام کرتا ہے' کسی غریب کو لوٹ لیتا ہے' ڈاکہ ڈالتا ہے' راستہ جاتے ہوئے کسی بس کو لوٹ لیتا ہے' اسے ندامت نہیں ہوتی۔ پھر وہ چوپال میں' گلی میں' بازار میں اس پر فخر کرتا ہے کہ ہم نے یوں چھینی بس یوں لوٹی یوں فلاں کو کیا یوں ڈرائیور کو مارا۔ فائر کیا تو اس کا ٹائر پھٹ گیا۔ ان باتوں سے یہ سمجھ لیں کہ یہ شخص ایمان کی نسبت کفر کے قریب تر ہے کیونکہ خطا کا ہو جانا مومن سے ممکن ہے لیکن خطا پر فخر کرنا یہ کفر کی دلیل ہے۔

یہاں جو فرعون اور فرعون کے ماننے والوں کی بات ہو رہی ہے اس کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ برائی کرتے تھے اور اس برائی کو سمجھتے تھے واستکبر ..... بغیر الحق تکبر تو ویسے بھی بغیر حق ہے تو یہاں بغیر حق کی قید باری تعالیٰ نے اس لئے لگائی کہ وہ خود اسے سمجھتے تھے وہ جانتے تھے کہ جو کچھ کر رہے ہیں یہ ناحق ہے اس کے باوجود وہ کرتے تھے اور اس پر فخر بھی کرتے تھے کہ ہم نے خدا اور اس کے رسول سے لوگوں کو مقابلہ کرکے دکھا دیا ہم نے کسی معمولی ہستی سے ٹکر نہیں لی ہم نے خدا سے خدا کے نبی سے ٹکر لی ہے اور دکھا دیا ہے دنیا کو کہ ہم بھی کچھ ہیں۔

اللہ کریم فرماتے ہیں یہ جو گناہ یا گناہ کا سفر ہوتا ہے اس کے پیچھے فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا ارتکاب کرنے والا شخص یہ سمجھتا ہے کہ جو کچھ سامنے ہے یہی ہے اور اس کے بعد کی زندگی نہیں ظنوا انہیں گمان یہ تھا انھم الینا لا یرجعون انہیں یقین تھا کہ اس کے بعد زندگی نہیں ہے۔ لیکن انہیں زندگی کے جس طرح ہونے کا یقین نہیں تھا اسی طرح اخروی زندگی کے نہ ہونے کا بھی یقین نہیں تھا انہیں گمان تھا کہ شاید کچھ ہوگا بھی یا نہیں ہوگا۔ اللہ کریم فرماتے ہیں دیکھ لو ہم نے انہیں غرق دریا کر دیا محفوظ کر دیا اتنی بڑی سلطنت کا مالک اتنی بڑی حکومت کا

مالک تم نے تمہاری امت کو تباہ و برباد کر دیا اور صرف یہ نہیں کہ وہ دریا میں غرق ہو گیا اور بات ختم ہو گئی بلکہ فرعون اور اس کے ماننے والوں کو ہم نے امام بنا دیا ان لوگوں کو۔ ائمہ امام کی جمع ہے تو خدا کہتا ہے میں نے فرعون کو بھی اور اس کے ماننے والوں کو بھی امام بنا دیا سب کو؟ کیسا امام بنایا ائمۃ یدعون الی النار دوزخ کی طرف کائنات کو دعوت دینے والا یعنی انہیں دوزخ کا داعی بنا دیا ایسا بنا دیا کہ ان کے نقش قدم پہ چل کر لوگ دوزخ میں گرتے ہیں یہ لوگ ان کے پیشوا بن گئے۔

یہاں ایک بات بڑی صاف ہو گئی۔ حضرت شاہ ولی اللہ رحمتہ اللہ علیہ کے ہاں ملتا ہے مراقبات میں مشاہدات میں غالباً" ان کی کتاب "جذب قلوب الی دیار محبوب" میں کہ میں نے مدینہ منورہ میں مراقبہ کی حالت میں حضور اکرمؐ کے روضہ مطہر کے سامنے یہ بات پیش کی کہ یا رسول اللہ یہ جو فرقہ ہے مسلمانوں میں شیعہ حضرات کا کیا یہ مسلمانوں کا کوئی فرقہ ہے اہل حق ہیں یا یہ فرقہ ہی باطل ہے تو وہ لکھتے ہیں کہ بارگاہ نبوی سے جو ارشاد ہوا وہ یہ تھا کہ ان کا عقیدہ باطل ہے اس کے بطلان کی دلیل امام ہے تو اگر آپ اسی لفظ پر نگاہ کریں تو امام تو لیڈر کو کہتے ہیں اس کے لئے نیک ہونا یا بدکار ہونا شرط نہیں۔

یعنی شریعت کی اصطلاح میں فرعون اور اس کے لشکری بھی امام ہیں اور وہ دوزخ کی طرف جانے والوں کے پیشرو ہیں ان کا عمل ایسا ہے کہ دوسروں کو بھی دوزخ کی طرف لے جاتے ہیں۔

تو خدا نے انبیاء کو بھی امام کہا ہے اور نیک لوگوں کو بھی امام کہا ہے لیکن انہیں امام ھدیٰ کہا ہے۔ نبی کو جب امام کہتے ہیں تو گویا وہ انبیاء کی صف میں ایسا نبی ہے جس کا فیضان انسانیت کے لئے ہے۔ حضور نبی کریمؐ کو امام الانبیاء کا لقب دیا جاتا ہے تو گویا تمام نبیوں کے بھی امام ہیں تو یہ گویا ھدیٰ میں بہت آگے چلے جانا اور دوسروں کا رہنما بننا یہ امامت اس معنی میں ہے۔ لیکن امامت فی نفسہ کوئی منصب ہی نہیں جس طرح نبوت ہے یہ ایک شرعی منصب ہے۔

نبوت اگر منصب شرعی نہ ہوتا تو سب سے بڑا داعی تو نبی ہوتا ہے تو یہاں نبی کہا جاتا لیکن اللہ نے فرعون اور اس کے ماننے والوں کو نبی نہیں کہا کیونکہ نبی ایک ایسا رتبہ کا لفظ ہے اصطلاح شریعت میں کہ صرف اللہ کے رسولوں پر بولا جاتا ہے دوسرا کوئی کتنی بھی تبلیغ کرے، کتنی بھی دعوت دے، کتنی بھی نیکی کرے، کتنا بھی اللہ کی طرف بلائے اسے آپ نبی نہیں کہتے چاہے کتنی بھی اس میں لیڈر شپ کی صلاحیت ہو لیکن آپ امام ہر اس شخص کو کہہ سکتے ہیں جو اپنے قریبی یا اپنے اردگرد کے لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے اور ان کے آگے چل رہا ہے ان کو رہنمائی دے سکتا ہے اگر نیکی کی طرف رہنمائی کر رہا ہے تو نیکوں کا امام ہے اگر برائی کی طرف رہنمائی کر رہا ہے تو بروں کا امام ہے۔

اور یہاں اس فرقہ باطل کے ہاں امامت ہی مذھب کی بنیاد ہے اور انہوں نے امامت کا اعلان کیا ہے ایک ایسے منصب کو جو معصوم عن الخطا بھی ہو صاحب وحی بھی ہو صاحب شریعت بھی ہو اور اس کا حلال کردہ حلال قرار دیا جائے اور جس کو وہ حرام قرار دے وہ حرام قرار دیا جائے اور بنیادی طور پر معصوم عن الخطا ہونا ہی اصطلاحاً" غلط ہے تو گویا لفظ امام کو انہوں نے نبوت سے افضل بتایا

حالانکہ قرآن نے فرعون اور اس کے لشکریوں کو بھی گمراہی کا امام قرار دیا ہے اسی طرح سورۃ توبہ میں ایک جگہ آتا ہے وقاتلوا ائمتہ الکفر کہ کفر کے اماموں سے جہاد کرو یعنی کافروں کے سرداروں سے کافروں کے لیڈروں سے کافروں کے حکمرانوں سے کافروں کی قیادت سے حق کیلئے جہاد کرو۔

تو گویا امام کوئی اصطلاح شریعت کی نہیں ہے اصطلاحات شریعت کی جو ہیں ان کا اپنا مزاج ہے نبوت شریعت کی اصطلاح ہے اور اس پر ایمان کا مدار ہے کہ نبی کو نبی نہ سمجھنے والا کافر ہے اور غیر نبی کو نبی ماننے والا کافر ہے۔ یعنی نبی شریعت کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس کے ماننے نہ ماننے پر کفر اور اسلام کا مدار ہے ایک نبی برحق ہے کوئی اسے نبی نہ مانے نہ ماننے والا کافر ہے جو شخص نبی نہیں ہے دوسرا اسے نبی مانے تو اس کو نبی ماننے والا کافر ہے لیکن امام کے ساتھ یہ شرط نہیں ہے فرعون کے لشکریوں کو بھی امام کہا۔

ہم شروع ہوتے ہیں امام الانبیاءؐ سے تو صحابہ کو امام کہتے ہیں پھر مفسرین میں سے جو زیادہ وسیع العلم ہیں ان کو مفسرین کا امام کہتے ہیں محدثین میں سے جو سب سے زیادہ وسیع العلم محدث ہے اسے محدثین کا امام کہتے ہیں فقہاء میں سے جو زیادہ فقیہہ ہے اسے فقہ کا امام کہہ لیتے ہیں حتیٰ کہ ہم جب نماز پڑھنے کے لئے آتے ہیں تو جو شخص نماز پڑھانے کے لئے سامنے کھڑا ہوتا ہے اسے امام کہہ لیتے ہیں کیونکہ امامت کے لئے شرط یہ ہے کہ صرف اپنے ساتھ والوں کا لیڈر ہو ان کے آگے چل رہا ہو۔ تو مندر میں جو خلیفہ رہ رہا ہوتا ہے مندر والوں کا وہ بھی امام ہوتا ہے امامت کے ساتھ کوئی خاص خصوصیت اللہ نے مخصوص نہیں فرمائی۔

یہاں فرعون اور اس کے ماننے والے جب گمراہی میں اس درجہ پر پہنچ گئے کہ لوگ انہیں دیکھ دیکھ کر گمراہ ہوتے ہیں تو خدا نے ظلم کے بدلے میں جو سزا انہیں دی وہ ارشاد فرمائی ذرا دیکھ تو سہی کیف کان عاقبتہ الظالمین کہ ظالموں کا انجام کیا ہوتا ہے ایک تو ان کی سلطنت ان کی عزت ضائع ہوتی ہے اور اس کے علاوہ ائمتہ یدعون الی النار بنے ان کو دوزخ کی طرف بلانے والا دعوت دینے والوں کا امام بنا دیا۔ خود دوزخیوں کا نہیں ایسے لوگوں کو جو خود دوسروں کو بھی دوزخ کی طرف دعوت دیتے ہیں دوزخ کی طرف دعوت دینے والوں کا امام بنا دیا۔

جس طرح نبوت اصطلاح شریعت ہے اسی طرح صحابی شریعت کی ایک اصطلاح ہے شرعاً" آپ صرف اس آدمی کو صحابی کہہ سکتے ہیں جس نے ایمان لانے کے بعد آقائے نامدارؐ کی زیارت کی ہو یا اگر وہ نہیں دیکھ سکا تو حضور نبی کریمؐ نے اسے دیکھا ہو دو میں سے ایک بات ہو ایمان لایا ہو اور پھر اس نے

ایمان کی حالت میں حضور اکرمؐ کو دیکھا ہو یا اگر ایسا نہیں ہے اگر کوئی شخص نابینا ہے اس کی آنکھیں نہیں ہیں تو اسے خود حضور نے دیکھ لیا ہو پھر وہ صحابی ہو جائے گا پھر اگر وہ ایمان کے ساتھ دنیا سے اٹھ گیا تو وہ صحابی ہے اس حالت پر قائم رہا تو وہ صحابی ہے۔ جس طرح نبی ہونے کی خصوصیات ہیں کہ نبی وہ ہوتا ہے جس پر اللہ کی طرف سے وحی نازل ہو احکام اللہ سے لے اور مخلوق تک پہنچانے کی استعداد رکھتا ہو جب مکالمہ باری نصیب ہوتا ہے جو یہ عجیب بات ہے جسے بھی اللہ سے شرف ہم کلامی نصیب ہو وہ وجود طیب طاہر اور پاک ہونا چاہئے۔

یعنی جس طرح بعض چیزیں ایسی ہوتی ہیں جن کو مقناطیس کے اثرات جذب نہیں کرتے اسی طرح سے جس وجود سے گناہ کا صدور ممکن ہو' یہ نہیں کہ وہ گناہ کرے۔ گناہ بیشک نہ کرے لیکن گناہ کر سکنا ممکن ہو اس سے اللہ ہم کلام نہیں ہوتا۔ اس میں استعداد ہی نہیں ہوتی مکالمہ باری کی اور جسے مکالمہ باری نصیب ہوتا ہے اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے تو اس میں گناہ کرنے کی استعداد ہی نہیں ہوتی یعنی اس سے گناہ ہو ہی نہیں سکتا اسی لئے یہ بھی ضروری ہے کہ ہر نبی معصوم ہوتا ہے جس طرح یہ ضروری ہے کہ نبی معصوم ہوتا ہے اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ ہر معصوم نبی ہوتا ہے۔ عالم انسانیت میں رسول کا یہ مرتبہ ہوتا ہے کہ وہ انسان بھی ہوتا ہے' کھاتا پیتا بھی ہے اس میں تمام قوت انسانی موجود ہوتی ہے' سننے کی بیان کرنے کی' اولاد کی' توالد و تناسل کی' سونے جاگنے کی' تمام ضروریات اس میں موجود ہوتی ہیں اور وہ بات کو سن کر پھر آگے پہنچا بھی سکتا ہے۔ ان تمام طاقتوں کے ہوتے ہوئے بھی اس سے گناہ ممکن نہیں ہوتا۔

یعنی ایک تو ہے ناکہ اس میں گناہ کی قوت ہی موجود نہ ہو ایک شخص ہے اس میں قوت ہے ہی نہیں ہم کہتے ہیں کہ یہ بدکاری سے معذور ہے یہ بات نہ ہو بلکہ اس میں قوت استعداد کام کرنے کی ہو لیکن اس کام کو غلط طور پر کرنے کی استعداد نہ ہو ممکن ہی نہ ہو کہ وہ کسی قوت کو کسی وقت میں غلط استعمال کرے اس کو کہتے ہیں معصوم عن الخطا کہ۔ بالکل ہی گناہ سے بالاتر ہو یعنی خصوصیات انسانی ہوں اور حالات ملکوتی ہوں۔ وجود انسانی ہو طاقتیں انسانی ہوں عادات انسانی ہوں خصوصیات انسانی ہوں اور عمل ملکوتی ہو جیسے فرشتے کا ہوتا ہے کہ وہ گناہ نہیں کرتا۔ عصمت اس کا نام ہے۔ اور یہی شرط نبوت ہے کہ وہ معصوم عن الخطا ہو۔

جسے بھی اللہ سے ہم کلامی نصیب ہو اور جسے کلام الٰہی سننے کا شرف حاصل ہو اللہ کے کلام کی برکت یہ ہے' وحی کی برکت یہ ہے کہ اس وجود میں گناہ نہیں رہتا اور اگر آپ کسی کو معصوم کہیں کہ یہ شخص معصوم ہے' معصوم عن الخطا ہے تو دوسرے معنوں میں آپ نے اسے نبی تسلیم کر لیا۔ عصمت تو صرف خاصہ نبوت ہوتی ہے' نبی معصوم ہوتا ہے۔ معصوم جو ہوتا ہے وہ نبی ہوتا ہے۔ چونکہ نبوت کی شرائط یہی ہیں اس لئے نبوت کے تحت آپ کسی دوسرے کا نام بھی نہ رکھیں لیکن اگر یہ اعتقاد رکھیں کہ یہ شخص معصوم عن الخطا ہے تو گویا آپ نے اسے نبی تسلیم کر لیا اور غیر نبی کو نبی ماننا کفر ہے جس طرح نبوت کی یہ شرعی دلیل ہے اسی طرح صحابی ہونے کی بشرط محبت نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام ہے۔

حدیث میں آتا ہے "بعثت لاتمم مکارم الاخلاق او کما قال صلی اللہ علیہ وسلم میری بعثت کا مقصد ہی یہ ہے کہ میں انسانی اخلاقی معیار کو اس کے آخری درجے تک پہنچا دوں اور ایسے انسان پیدا کروں جو انسانی اخلاق کے اعلیٰ نمونے ہوں۔ یہ مقصد بعثت ہے تو اس مقصد کو پورا کرنے کی قوت خدا نے دی جیسے ہدایت کے لئے لوگوں کو بلانا نبی کا وصف ہے۔ ہدایت کے لئے اللہ نے ایک ایسی کتاب بھیجی جو بے مثل بے نظیر ہے اور جس میں ہر سوال کا جواب موجود ہے جو کسی موضوع پر کسی جگہ پیدا ہو سکتا ہے تو جب تزکیہ کرنا آپ کے فرائض میں تھا تو اللہ نے اس کی کتنی قوت حضور اکرمؐ کو عطا کی اس کا اندازہ اس بات سے ہوتا ہے کہ جس نے حضورؐ کو ایک نگاہ دیکھ لیا وہ صحابی ہو گیا۔ اب صحابی کا کیا درجہ ہے؟ تو نبوت کے بعد سب سے بلند مقام جس پر کوئی انسان پہنچ سکتا ہے وہ صحابیت پیامرؐ ہے۔ دیانت میں' امانت میں' صداقت میں' شجاعت میں' دلیری میں' حق بیان کرنے میں' حق قبول کرنے میں' خشوع و خضوع میں' ورع و تقویٰ میں' جتنی اعلیٰ خصوصیات ہیں ان سب کا انتہائی مقام جو ہے وہ صحابیت ہے۔ اس ایک نگاہ میں اس انسان کے اخلاقیات میں وہ تبدیلی آئی کہ وہ ان تمام اعلیٰ اوصاف میں اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔

مثلاً" ہمارا علاقہ فوجی ہے اور ہم بیشتر فوجی اصطلاحات کو سمجھتے ہیں تو آپ یوں سمجھئے کہ جیسے ہم کسی شخص کو کہتے ہیں جرنیل تو ان دو لفظوں میں ہم نے ایک تاریخ سمو دی ان دو لفظوں میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ شخص صحت مند خوبصورت اور ذہین لڑکا تھا کبھی اس نے کالج میں سکول میں اچھے نمبروں پر اپنے امتحان پاس کئے تھے یہ ایک اعلیٰ کیڈٹ تھا ایک اچھا کیڈٹ بھرتی ہوا تھا یہ ایک اچھا لیفٹیننٹ تھا یہ ایک اچھا کپتان تھا یہ ایک اچھا میجر تھا یہ ایک اچھا کرنل تھا یہ ایک اچھا بریگیڈیر تھا تب جا کر یہ جرنیل بنا یعنی ان تمام مدارج میں اس نے اچھی طرح سے اپنے آپ کو کامیابی سے ہم کنار کیا اعلیٰ نمبروں پر گزرا تب جرنیل بنا۔

اسی طرح جب ہم کسی کو صحابی کہتے ہیں تو ان دو لفظوں میں یہ بات آجاتی ہے کہ یہ شخص انتہائی سچا' انتہائی امین' انتہائی نیک' انتہائی خشوع و خضوع والا' انتہائی دیانت دار' انتہائی دلیر' انتہائی جرات مند اور تمام اخلاقی خوبیوں سے اس کا سینہ پر ہے ان دو لفظوں میں یہ اظہار ہو جاتا ہے۔ اب اگر کسی غیر صحابی کو آپ صحابی کہیں تو یہ حق نہیں ہے اگر کسی صحابی کی صحابیت کا انکار کر دیں تو یہ کفر ہے یعنی کسی بھی صحابی کی عظمت کا انکار یہ کفر ہے کیونکہ جب اس کے ساتھ وہ خصوصیات وابستہ ہیں تو انکار ان شخص کی خصوصیات کا نہیں ہوتا بلکہ اس ہستی کا انکار

بقیہ نمبر ۴۹ پر

ثمرات فکر در کائنات

خطاب مولانا محمد اکرم اعوان

المر (قف) تلک ایت الکتب ط والذی انزل الیک من ربک الحق ولکن اکثر الناس لایومنون ○ اللہ الذی رفع السموت بغیر عمد ترونھا ثم استوٰی علی العرش وسخر الشمس والعمرط یجری لاجل مسمی ط یدبر الامر یفصل الایت لعلکم بلقاء ربکم توقنون○ سورۃ الرعد (2-1)

ترجمہ! یہ کتاب کی آیتیں ہیں اور وہ جو تمہاری طرف تمہارے رب کے پاس سے اترا حق ہے مگر اکثر آدمی ایمان نہیں لاتے۔ اللہ ہی ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بے ستونوں کے کہ تم دیکھو۔ پھر عرش پر استوا فرمایا جیسا اس کی شان کے لائق ہے۔ اور سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ ہر ایک ایک ٹھہرائے ہوئے وعدہ تک چلتا ہے۔ اللہ کام کی تدبیر فرماتا اور مفصل نشانیاں بتاتا ہے۔ تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو۔

اللہ جل شانہ نے دین حق کو اور عقائد حقہ کو دلائل کے ساتھ بیان فرما کر جن میں دلائل عقلی بھی موجود ہیں اور دلائل نقلی بھی موجود ہیں انسان کو دعوت فکر دی ہے کہ وہ خود سوچے سمجھے فیصلہ کرے اور اس کے بعد حق کو قبول کرے۔

یاد رکھیں! ایمانیات میں تقلید نہیں ہوتی' تقلیدی ایمان جو ہوتا ہے وہ ایمان نہیں ہوتا کہ فلاں مانتا ہے اس لئے میں بھی مانتا ہوں بلکہ ایمان اس شے کا نام ہے کہ یہ بات حق ہے اس لئے میں مانتا ہوں۔ ذات باری' صفات باری' ضروریات دین' حضور کی نبوت و رسالت اور قرآن کا کتاب اللہ ہونا اس لئے ماننا کہ لوگ مانتے ہیں یہی تقلید ہے۔ حالانکہ عقائد میں تو تقلید سرے سے ہوتی ہی نہیں ہے اسی لئے ہر شخص اپنی اپنی ذات میں مکلف ہے اور یہی سبب ہے کہ رب کریم نے ہر شخص کے لئے انفرادی طور پر دلائل ارشاد فرمائے ہیں۔ اگر یہ تقلیدی ہوتا تو دنیا میں چند مخصوص افراد یا انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام کے لئے دلائل ارشاد فرما دیئے جاتے باقی لوگوں کو حکم ہوتا کہ جب ان بڑی بڑی ہستیوں نے اس بات کو قبول کر لیا ہے تو تمہیں بھی قبول کرنا چاہئے۔ تو اسی بات کی طرف پوری توجہ کی ضرورت ہے کہ انسان اپنا صحیح محاسبہ کرے' اپنے ذہن سے سوچے' جذبات سے الگ ہو کر چھان پھٹک کر حقائق کو قبول کرے۔ صرف انہی لوگوں کو استقامت نصیب ہوتی ہے اور صرف انہیں کی عملی زندگی متاثر ہوتی ہے جن کا ایمان اختیاری ہوتا ہے اور جو سوچ سمجھ کر اپنی پسند سے راستہ اختیار کرتے ہیں۔

ہمارے اس دور کی اک مصیبت یہ ہے کہ جس گھر میں دس آدمی ہیں وہاں دس مذاہب بھی ہیں۔ باپ کا عقیدہ اور طرح سے ہے بیٹے کا اور طرح سے ہے بیوی کا اور طرح سے ہے۔ آپ کبھی غور فرمائیں کہ ایسا کیوں ہے؟ میرا خیال ہے یہ اس لئے نہیں ہے کہ انہوں نے تحقیق کر کے کوئی عقیدہ اپنا لیا بلکہ یہ اس لئے ہے کہ لوگوں نے عقائد کے معاملے میں سوچنا اور سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ جو جس طرح کی سوسائٹی یا ماحول یا جس طرح کے آدمی کے ساتھ بیٹھنا اٹھنا ہو گیا اس نے اس طرح کا عقیدہ اپنا لیا۔ ذاتی طور پر اگر جن کا اپنا عقیدہ ہے مثلاً" آپ کافروں کو دیکھ لیں کہ وہ کفر پر جمے رہتے ہیں' مر جاتے ہیں لیکن بہت کم ایسے ہوتے ہیں جو کفر کو چھوڑنے پر تیار ہوتے ہیں۔

تو اگر کسی کا عقیدہ حق ہو' اسلام پر ہو' دین حق پر ہو تو وہ محض چند ملاقاتوں سے یا کسی آدمی کے ساتھ بیٹھنے سے کب متاثر ہوتا ہے اور کب چھوڑ دیتا ہے۔ یہ جو لوگ جلدی متاثر ہوتے ہیں اور رواجات و رسومات کے پیچھے عقیدے کو چھوڑ دیتے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ ان کا ایمان محض تقلیدی ہوتا ہے۔ ایک شخص کے پیچھے چل رہے ہیں اس کی طرح کا عقیدہ ہے اگر کوئی دوسرا شخص پسند آگیا اس کے ساتھ دوستی ہو گئی اس کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہو گیا اس کی باتوں سے متاثر ہو گئے جو اس کا عقیدہ ہے وہ اپنا لیا۔ تو گویا اس طرح کا عقیدہ ہونا نہ ہونے کے برابر ہے۔

ورنہ رب العالمین کا یہ کہہ دینا کہ توحید باری کو قبول کرو میرے نبی کی رسالت کو قبول کرو جو کچھ اس کتاب میں احکام ہیں انہیں قبول کرو جہاں سے روک دیا گیا ہے وہاں رک جاؤ یہ کافی تھا۔ دلائل دینے کی بھلا رب العالمین کو کیا ضرورت تھی۔ کتاب اللہ کا دلائل دینا یہی اس بات پر کافی دلیل ہے کہ انسان کو دعوت فکر دی جا رہی ہے پھر مذہب حقہ میں اور ادیان باطلہ میں ایک اور فرق ہے۔

جس قدر بھی ادیان باطلہ تاریخ انسانی میں ملتے ہیں یا روئے زمیں پر موجود ہیں۔ ان سب کی بنیاد جذبات پر ہے انسانی جذبات کو انگیخت کیا جاتا ہے۔ سو فیصد مذاہب باطلہ میں یہ بات موجود ہے کہ آپ یہ عقیدہ اپنا لیں یہ کام کریں اس طرح سے کریں تو فوراً" آپ کو دنیا میں یہ فائدہ ہو گا۔ ہر باطل عقیدے کے ساتھ یہ بات وابستہ ہے۔ آپ بالکل تحقیق فرمالیں' آپ غور فرمائیں' مذاہب باطلہ کا مطالعہ فرمائیں تو آپ کو یہ بات بالکل روز روشن کی

طرح نظر آئے گی کہ ہر باطل مذہب نے انسانی جذبات کو انگیخت کیا ہے اور جن میں سے سرفہرست شہوات ہیں مثلاً" دولت کا لالچ' اقتدار کا لالچ اور کسی منافع کا لالچ اس کو سرفہرست رکھا ہے۔ آپ تمام مذاہب باطلہ کو دیکھ لیں ان کی بنیاد یہی ہوگی کہ یہ کرو فوراً" تجھے یہ نتیجہ مل جائے گا۔ یہ کام کرو تم آفیسر بن جاؤ گے' یہ کرو تمہیں اولاد مل جائے گی' یہ کرو تمہیں دولت مل جائے گی لیکن دین حقہ میں ایسا نہیں۔

اسلام اور مذاہب باطلہ میں بنیادی فرق یہی ہے کہ دین حقہ نے جذبات کو انگیخت نہیں کیا بلکہ جذبات سے انسان کو الگ کرکے اسے حقائق سمجھائے ہیں۔ جن میں بنیادی عقیدہ ہی یہ ہے کہ یہ ایک اتنا حسین' اتنا معتدل نظام طے کر دیا گیا ہے جو اپنے طے کرنے والے کے طے کردہ قوانین کے مطابق چل رہا ہے چلتا رہے گا اور یہی اس کی عظمت کی دلیل ہے۔

یعنی محض انسانی جذبات اس میں ردوبدل نہیں کر سکے۔ فرمایا تلک ایات الکتاب الکتاب بجائے خود اس کے بے مثال ہونے پر دلالت کرتی ہے کہ یہ ایک ایسی کتاب کی آیات ہیں جو آپ پر' آپ کے رب کی طرف سے بالکل حق اتاری گئی اس میں کوئی رائی برابر شائبہ جذباتیت کا نہیں۔ محض لوگوں کا دل لبھانے کے لئے کوئی بات نہیں ہے' محض لوگوں کو مائل کرنے کی کوئی بھونڈی کوشش نہیں ہے۔ بلکہ جو کچھ ارشاد فرمایا گیا ہے وہ عین حق ہے۔ اور شان ربوبیت کا تقاضا ہے کہ اسے نازل فرمایا گیا ہے۔ جس طرح جسمانی تربیت کا ایک وسیع نظام ہے۔ جس میں جسم کی اغذیہ بھی ہیں ادویہ بھی ہیں مختلف چیزیں ہیں اور بڑا وسیع نظام ہے۔ اسی طرح انسانی روح کے لئے' اس کی تربیت کے لئے بھی ربوبیت باری نے اپنی کتاب نازل فرمائی ہے لیکن اکثر انسانوں کی بد نصیبی یہ ہے کہ انہیں ایمان نصیب نہیں ہوتا۔

اس لئے کہ کم حوصلہ انسانی ہمیشہ جذبات کے پیچھے بھاگتا ہے۔ حالانکہ انسان اور حیوان میں بنیادی فرق ہی یہ ہے کہ حیوان اپنے جذبات کے تابع ہوتا ہے اور انسان میں یہ شرف ہے کہ اس کے جذبات اس کے اپنے تابع اور اپنے کنٹرول میں ہوتے ہیں۔

پھر دلائل ارشاد فرمائے اللہ الذی رفع السموات بغیر عمدا" اللہ ہی ایک ہستی ہے جس نے آپ کے سامنے اتنا وسیع آسمان بغیر کسی ستون کے' بغیر کسی دیوار کا آسرا لئے' بغیر کسی ظاہری سبب کے قائم فرما دیا جس کی وسعت کا اندازہ انسانی ذہن نہیں لگا سکتا۔ ہم زمین کی وسعت کو اگر دیکھیں تو اس سے پرے کئی سیارے ایسے ہیں جو اس سے کروڑوں گنا بڑے ہیں اور پھر حد یہ ہے کہ جوئے سماوی میں اتنے ستارے اور اتنے سیارے ہیں کہ آج تک کوئی ان کی حتمی تعداد نہیں گن سکا تو آپ ان دوائر کی وسعت کو دیکھیں اور پھر یہ اندازہ فرمائیں کہ کتنی وسیع چادر تان دی ہے رب کریم نے آسمان کی اور اتنی وسیع چادر کے لئے کوئی ظاہری ستون نہیں ہے کوئی دیوار نہیں ہے کوئی مرمت نہیں ہے کوئی اس کی خرابی کا آج تک کوئی واقعہ نہ کسی نے سنا نہ کسی کے ذہن میں ہے اور پھر فرمایا! ترونھا جسے تم صبح شام دیکھتے ہو اتنی ظاہر باہر دلیل ہے کہ تم ہر آن اسے دیکھ رہے ہو اور حد یہ ہے' کمال یہ ہے کہ لوگوں نے خدائی دعوے کئے ہیں جھوٹے لیکن کسی نے آسمان کو کھڑا رکھنے کا دعویٰ بھی نہیں کیا کہ اسے میں نے قائم کر رکھا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی آمد' اس کی زندگی اور اس کا یہاں سے چلا جانا سب کے سامنے ہے۔ اب جو آج پیدا ہوتا ہے وہ کیسے کہے آسمان میں نے بنایا ہے جب کہ اس زمانے کے لوگ جو اس سے پہلے دنیا میں آئے ہیں وہ اس سے پہلے دیکھ رہے ہیں پہلوں نے ان سے پہلے دیکھا اور جب وہ چلا جائے گا تو آسمان تو موجود ہے۔ یعنی کوئی جھوٹا دعویٰ بھی' کوئی خدائی کا مدعی بھی یہ نہیں کہہ سکا کہ یہ آسمان میں نے بنایا ہے۔ جسے ہم دن رات صبح شام دیکھتے ہیں جو ہمارے سامنے ہے ہمیں متاثر کیوں نہیں کرتا کہ کون ایسی ہستی ہے؟ فرمایا! صرف اللہ ہے جس نے اسے صرف کھڑا نہیں کیا بلکہ اس کے کھڑا ہونے کے انداز میں ہی زندگی کی رعنائیاں پنہاں ہیں۔

ثم الستوٰی علی العرش۔ استویٰ علی العرش جو ہے اس میں لمبی بحثیں ہیں اور بڑی طویل لیکن حقیقت صرف اتنی ہے کہ اللہ کریم مکانات سے منزا کسی ایک طرح کی پابندی سے وریٰ الوریٰ ہے اور اس کی ذات ایسی ہے کہ اسے کسی ایک جگہ پابند نہیں کیا جا سکتا یہ ساری کائنات اس کی تجلیات میں گم ہو سکتی ہے اس کی ایک ادنیٰ تجلی بھی کائنات کی وسعتوں میں سما نہیں سکتی۔ استویٰ علی العرش سے ماحاصل یہ ہے جس طرح آپ کی حکومت ایک سیکرٹریٹ بنا دیتی ہے۔ تمام ملکی نظام اس کی طرف جا پہنچتا ہے بالا خر نتیجتاً" ایک چھوٹا افسر' اس سے بڑا' بڑے سے بڑا' اس سے بڑا' بالا خر وہ سیکرٹریٹ تک جا پہنچتا ہے اور نتیجتاً" وہاں سے چیزیں حاصل ہوتی ہیں اسی طرح عرش عظیم کو رب کریم نے اس کائنات کا سیکرٹریٹ بنا دیا یہ بات نہیں ہے کہ خداوند عالم محض عرش پر بیٹھے ہیں باقی کہیں کسی جگہ خدا موجود نہیں ہے بات یہ نہیں ہے۔ بات صرف یہ ہے کہ اللہ تو ہر آن ہر جگہ موجود ہے لیکن مخلوق کی توجہ جو ہے اس نے مرتکز کر دی ہے اس سیکرٹریٹ پر' جہاں سے اس کے احکام اس کے فرامین نازل ہوتے ہیں' جہاں سے مخلوق تک پہنچتے ہیں۔

تو فرمایا ثم الستوٰی علی العرش پھر عرش کو ان تمام چیزوں کا مرکز بنا دیا وسخر الشمس والقمر کل یجری لاجل مسمی۔ اور اسی آسمان کی وسعتوں میں سورج اور چاند جیسے عظیم اجسام کو مسخر کر دیا ہے اس نے تابع کر دیا ہے ان میں مجال سرتابی باقی نہیں رہنے دی۔ اور ایسا مسخر کیا ہے کہ ان کے سفر کے اوقات معین ہیں' راستے معین ہیں' ایک ایک لحظہ معین ہے اور وہ جب سے بنے ہیں تب سے اب تک پوری باقاعدگی کے ساتھ ایک ایک لمحے میں اطاعت کر رہے ہیں یعنی صرف اگر سورج ہی ذرا سا

عدم اطاعت کی طرف مائل ہو جائے اپنی رفتار میں ایک سیکنڈ کا کروڑواں حصہ بھی روزانہ کمی کر دے تو پورا نظام زندگی معطل ہو جائے گا۔

اگر سورج زمین سے اپنا فاصلہ گھٹانا شروع کر دے تو دنیا کو جلا کر راکھ کر دے۔ یہی فاصلہ بڑھنا شروع ہو جائے تو سردی اتنی بڑھ جائے کہ زمین پر زندگی محال ہو جائے۔ لیکن فرمایا! وسخر الشمس والقمر صرف آسمان کو پھیلایا اور کھڑا نہیں کیا بلکہ اس میں زندگی کی بنیادی حرکت' زندگی کو حرارت دینے والا بنیادی عنصر جس کو آپ بوائلر کہہ لیں جس طرح کسی کارخانے کا بوائلر ہوتا ہے۔ کہ اس میں بھاپ جمع ہو کر پوری مشینری کو چلاتی ہے اسی طرح فرمایا اس کارگاہ حیات میں سورج کو ایک بوائلر' ایک انجن' ایک سٹیم کی حیثیت دے کر اس کے ذمہ دنیا کے کارخانے کو چلانے کا کام لگا دیا گیا۔ اس کے چلنے کا ایک ایک لمحہ معین کر دیا ہے۔

اس میں دعوت فکر یہ ہے کہ لوگو! جذبات کے پیچھے بھاگ کر محض عقائد باطلہ نہ اپناؤ کہ ایسا کرنے سے یہ ہو جائے گا' ایسا کرنے سے وہ ہو جائے گا۔ میرے بھائی! اگر لوگوں کے کرنے سے کچھ ہوتا تو اللہ کریم فرماتے ہیں لوگ اس سورج کی روشنی کو گھٹا بڑھا دیتے۔ اگر کسی دوسرے کے کرنے سے کچھ ہوتا تو وہ اس کی رفتار کو گھٹا بڑھا دیتا۔ اگر کسی اور کے کرنے سے کچھ ہوتا تو وہ اس نظام میں کوئی رائی برابر مداخلت تو کرتا۔ ذرا کوئی کہہ تو دے کہ آج میں سورج کو روکتا ہوں۔

اس میں دعوت فکر یہ ہے کہ ہر کام کا اللہ کریم نے ایک اندازہ معین کر دیا ہے اور اس وسیع کائنات میں ایک چھوٹا سا پتا جو پھوٹتا ہے وہ بھی تقدیر الٰہی کے تابع ہے اور علم الٰہی میں موجود ہے اور اسی طرح اللہ کریم نے مقدر کر دیا ہے تب وہ پھوٹتا ہے زمین میں۔ کہیں کوئی ذرہ حرکت کرتا ہے تو اللہ کی اجازت سے کرتا ہے' کہیں کوئی ریت کا دانہ گرتا ہے یا کہیں اڑتا ہے اسے گرانے والا بھی وہی ہے' اسے اڑانے والا بھی وہی ہے تم زیادہ سے زیادہ جو کر سکتے ہو وہ یہ بات ہے کہ اس کی عظمت سے آشنا ہو جاؤ۔ اگر انسان نظام کائنات کو متاثر کرنے لگیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں آج تک یہ تباہ ہو چکی ہوتی۔ کسی انسان کا دوسرے انسان کے ساتھ کسی ایک معاملے میں متفق الرائے ہونا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور جتنے لوگ ہوتے ہیں اتنی ان کی رائیں ہوتی ہیں' اتنے ہی ان کے ارادے ہوتے ہیں' اتنی ان کی خواہشات ہونگی کوئی سورج کو جلدی طلوع کرنے کے لئے وظیفہ کر رہا ہوگا دوسرا اسے لیٹ نکلنے کے لئے وظیفہ کر رہا ہو گا۔ اسی طرح جتنے اثرات مرتب ہوتے ہیں اس کی حدت اور گرمی سے تخم پھوٹتے ہیں بادل بنتے ہیں بارشیں برستی ہیں پھل پکتے ہیں حتی کہ طلوع ہونے والا سورج ایک چیونٹی کے انڈے سے لیکر ایک بہت بڑے پہاڑ تک کو گرمی پہنچا رہا ہوتا ہے۔ اس سارے نظام میں اگر کسی کی رائے برابر مداخلت ہوتی اگر کر سکتے تو صاحب ہمت روشنی اپنے گھروں میں سمیٹ لیتے اور جو کمزور تھے وہ سورج کی روشنی سے محروم رہ جاتے سردیوں میں لوگ سورج کی حدت اپنے مکان میں بند کر لیتے اور دوسرے اہل محلّہ ترستے رہتے' ایسا نہیں ہوتا کسی کا اس پر کوئی اختیار نہیں چلتا۔

فرمایا' دیکھ لو! یہ ایک بنیادی جرثومہ ہے مادی حیات کا جس پر باقی زندگی کا مدار ہے' اللہ کے حکم سے جس طرح معین کر دیا گیا ہے اس کی حرکت میں کوئی فرق نہیں آتا تو تم کیوں جذبات کے پیچھے بھاگتے ہو اور سمجھتے ہو کہ اس طرح کرنے سے دنیا میں یہ ہو جائے گا' کچھ نہیں ہوگا' وہی ہوگا جو اللہ کریم کر رہے ہیں۔

فرمایا یدبر الامر تمام امور کی تجویز اس نے خود کی ہے۔ ہر ایک بات کو اس نے طے فرما دیا ہے۔ آپ کے پیدا ہونے مرنے کو' آپ کی غربت اور امارت کو' صحت و بیماری کو' تمام امور کو اس نے طے فرما دیا ہے۔ اب انسانی محنت و کوشش کیا ہے۔ رزق تک اس نے معین کر دیا ہے۔ انسان صرف اسباب اختیار کرتا ہے جائز یا ناجائز۔ انسان صرف اس بات کا مکلف ہے کہ وہ اسباب میں اللہ کی اطاعت اختیار کرے اور تب ہی اطاعت اختیار کرے گا جب اس کی ذات سے اس حد تک واقف ہو گا کہ مجھے ملنا ہی وہی ہے جو اس نے دینا ہے۔ اگر میں اس کی اطاعت چھوڑ کر ناجائز طریقوں سے لوٹنا بھی چاہوں تو میرے حصے میں وہی دولت آئے گی جو میں محنت کر کے کمانا چاہوں تو اس نے میرے لئے مقدر کر دی۔ اسی طرح دنیا کی کوئی بھی خواہش کسی بھی شے کا حصول جب ہم اس مقام پر پہنچ جائیں جب ہم دیکھیں یہ چیز مجھے ملے گی' اتنی ہی اسی وقت' اسی مقدار میں جتنی اور جب میرا رب مجھے دینا چاہتا ہے اور اس نے میرے لئے تقسیم کر دی ہے' میں بڑھا گھٹا نہیں سکتا تو پھر انسان کے پاس عدم اطاعت کی کوئی دلیل رہ جاتی ہے؟ پھر اسے ضرورت محسوس نہیں ہوتی کہ وہ حدود الٰہی کو توڑ کر بھاگے۔ یہ جو ہماری بھاگ دوڑ ہوتی ہے اللہ کی حدود کی پرواہ نہ کرتے ہوئے جائز ناجائز کو نہ سوچتے ہوئے' حلال حرام کی پرواہ نہ کرتے ہوئے' اس کے پیچھے فلسفہ یہ ہوتا ہے کہ انسان کے ذہن میں یہ بات ہوتی ہے کہ اس طرح سے میں شاید دوسروں کی نسبت زیادہ حاصل کر لوں گا لیکن اگر یہ طے ہو جائے کہ ملنا تو وہی ہے جو اللہ کریم نے میرے حصے میں مقرر فرما دیا ہے تو پھر سوائے طاقت کے دوسری کوئی غرض نہیں رہ جاتی۔

یفصل الایات۔ اللہ کریم دلائل کو اس لئے کھول کر بیان فرماتا ہے لعلکم بلقاء ربکم توقنون کہ تمہیں اللہ کے لقاء پر' اللہ کے سامنے حاضری پر' اللہ کے روبرو کھڑا ہونے پر یقین حاصل ہو جائے کہ جب تجزیہ کرو آسمان کیوں بنا' اس کارگاہ حیات کو قائم رکھنے کے لئے آسمان میں سورج اور چاند ستارے کیوں گردش کرتے ہیں۔ اس کارگاہ حیات کی حرارت اور گرمی کے لئے یہ دریا سمندر ہوا پھل درخت جانور درندے حیوانات پرندے کیڑے کیوں ہیں۔

وخلق لکم فی الارض جمیعا ہر چیز کا تجربہ کرتے چلے جاؤ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سارا نظام ایک اور ایک انسان کی تربیت کے لئے ہے۔

تو جب اتنی کارگاہ حیات' اتنا وسیع نظام جسے صدیوں سے محنت کرنے والا انسان بھی پوری طرح سمجھ نہ سکا' روز ایک نئی گرہ کھلتی ہے۔ اتنا وسیع نظام جب انسان کے لئے ہے تو انسان کی تخلیق کا بھی تو کوئی مقصد' کوئی انجام ہو گا کہ ہم جس صنعت سے شروع کرتے ہیں اس کی تحقیق کرتے چلے جاتے ہیں تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ انسان کی خاطر یہ سارا نظام ترتیب دیا گیا ہے تو پھر آخر انسان کس کے لئے ہے؟ کیا صرف اس لئے کہ یہ دنیا میں آئے اور صرف چند برس یہاں رہے۔ کیا صرف اس لئے یہ اتنا وسیع نظام رب کریم نے ترتیب دیا ہے کہ اس نظام سے یہ چند برس مستفید ہو اور پھر ختم ہو جائے اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے پھر یہ تو محض ایک فضول سی حرکت ہوئی اس کا کوئی نتیجہ ہی نہ ہوا اسی کو لعب کہتے ہیں کہ کوئی ایسا کام کیا جائے جس میں صرف وقت خرچ ہو نتیجتا" کچھ حاصل نہ ہو۔ اللہ کی شان تو اس سے وری الوریٰ ہے کہ وہ فضول کام کرے۔

فلاسفہ کا ایک قانون ہے وہ کہتے ہیں کہ سوچو کہ اگر دنیا میں سوائے ایک آدمی کے کوئی نہ رہے کوئی ایسا لمحہ کہ صرف ایک انسان دنیا میں موجود ہے اور انسانی نسل کا کوئی باشندہ نہیں ہے تو کیا یہ سورج طلوع نہیں ہو گا؟ بادل نہیں برسیں گے' کھیتیاں نہیں اگیں گی؟ یعنی یہ کارگاہ حیات پھر بھی اپنے پورے نظام' اپنی پوری رفتار کے ساتھ چل رہی ہو گی گویا ایک ایک آدمی کے لئے یہ وسیع نظام ترتیب دیا گیا ہے۔ یعنی اتنا وسیع نظام جو ہے یہ ایک ایک فرد کے لئے محرک ہے اور شب و روز حرکت کر رہا ہے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیں کہ انسانی وجود اللہ کے نزدیک کتنی عظمت' کتنی عزت' کتنی قدر وقیمت رکھتا ہے کہ ایک ایک وجود کے لئے اس نے کارگہ حیات کو پابند کر دیا ہے چلنے پر۔ اتنا قیمتی وجود جو ہے وہ محض لمحاتی نہیں ہے کہ چند لمحوں کے لئے آیا اور چلا گیا بلکہ اسے جو فہم و شعور عطا فرمایا وہی اس کا سرمایہ ہے۔ اور اسے وہ قوت عطا فرمائی ہے کہ وہ اس سارے نظام کا تجزیہ کر کے اس نظام کے بنانے والے رب کریم پر ایمان لائے' اس کی ذات' اس کی صفات کو پہچانے۔ اپنی حیثیت کو پہچانے اور جوں جوں پہچانتا چلا جائے گا اسی قدر اس کا مطیع اور تابع فرمان ہوتا چلا جائے گا حتی کہ ایک وقت آئے گا کہ اس کارگہہ حیات کو زینہ بناتا ہوا' یہاں سے معرفت باری کو حاصل کرتا ہوا اس میدان میں پہنچے گا جہاں یہ خدا کے روبرو کھڑا ہو گا۔ یہ اس کی زندگی کی منزل ہے کہ وہ اس سے فہم و ادراک اور شعور کو جلا بخشتا ہوا' اللہ کی عظمت سے آشنا ہوتا ہوا' ایک ایک لمحہ اللہ کی طرف بڑھ رہا ہے' اسے اللہ کی ذات کے قریب تر کرتا ہے حتی کہ اسے یہیں یقین حاصل ہو جاتا ہے۔

لعلکم بلقاء ربکم توقنون۔ کہ دنیا اور اس کا مطالعہ کرنے کے بعد تمہیں لقائے باری کا یقین حاصل ہو جائے اور اس یقین کے ساتھ اس دن تم کھڑے ہو جب تم کو اللہ کے روبرو کھڑے ہونا ہے اور یہی انسان کی عظمت ہے۔

اور اس کا یقین کرنے کے لئے رب کریم نے دعوت نظارہ دی ہے کائنات کی' اللہ کی تدبیروں کی' اللہ کے احکام کی اور دعوت فکر دی ہے ہر ہر فرد کو ہر شخص خود سوچے' سمجھے' جذبات سے بالاتر ہو کر یہ فیصلہ کرے کہ دین حق کو میں نے اپنانا ہے تب توفیق عمل عطا ہوتی ہے اور ہماری یہ زندگی جو دعویٰ اسلام کے ساتھ بے عملی کا شکار ہے اس کے پیچھے فلسفہ یہ ہے کہ ہم نے سوچ سمجھ کر مسلمان ہونے کا دعویٰ نہیں کیا۔ یہ اللہ کی عطا تھی کہ مسلمانوں کے گھر پیدا ہو گئے' باپ دادے کا مذہب تھا وہ ہمارے گلے پڑ گیا' ہم نے کہا ہمیں بھی قبول ہے' ہم اسی پہ چلتے ہیں کہیں اطاعت کر لی اور جہاں سے چھوٹ گئی وہاں کی پرواہ نہیں کی۔ وجہ یہ تھی کہ ہم نے خود سوچ سمجھ کر طے نہیں کیا کہ مجھے یہ کرنا ہے اور اللہ کریم ایمانیات میں خود سوچ سمجھ کر طے کرنے کی دعوت دیتے ہیں۔

فرماتے ہیں ہر شخص جذبات سے بالاتر ہو کر سوچے۔ آپ دیکھیں مذاہب باطلہ جذبات انسانی کو بھڑکا کر چند رسومات پر لگا دیتے ہیں اس کے بعد انسانی زندگی سے واسطہ نہیں رکھتے کوئی اچھا کرے یا کوئی برا کرے ان رسومات کو اپنائے رکھے اور ان کا کام کرتا رہے۔

لیکن اسلام نے جذبات سے بالاتر ہو کر ٹھنڈے دل سے سوچنے کی اور فکر کرنے کی دعوت دی ہے آپ جب فکر کریں گے اس کارگہہ حیات پر' خود اپنے وجود پر' خود اپنے جسم کے ایک ایک ذرے پر' اس کے حسن ترتیب پر' آپ ایک لقمے پر سوچیں گے کہ یہ کہاں سے بنا' کیسے آیا پھر اس ایک لقمے کو تحلیل کر کے اس کا گوشت خون اور ہڈی بنانے تک کتنا نظام رب کریم نے ترتیب دے دیا ہے خود میرے وجود میں۔ اگر کسی انسان کی جذباتی سوچ اس نظم کو متاثر کر سکتی تو کیا اس دنیا میں انسانی وجود باقی رہ سکتے۔ جب یہ باقی ہیں تو اس بات پر دلیل ہیں کہ کوئی اس نظام کو متاثر نہیں کر سکتا بجز بنانے والے کے۔

جب یہ طے ہو جائے تو پھر اس کی نافرمانی کرنے کا کوئی جواز باقی نہیں رہتا۔ جب اللہ کی اطاعت کو چھوڑ کر اسے کچھ حاصل ہی نہیں ہونا تو عدم اطاعت سے فائدہ؟ عدم اطاعت کی ضرورت؟ تب جا کر اللہ جل شانہ کی عظمت سے آشنائی کا دروازہ کھلتا ہے۔ اور یہ آشنائی ہے۔ جو دم حشر انسان کو سرخروئی عطا فرمائے گی۔

نوٹ

ماہنامہ المرشد کے بارے میں آراء و تجویزات اور اپنی تحریریں درج ذیل ایڈریس پر بھیجیں۔ کمرہ نمبر ۸ سیکنڈ فلور ریکس سٹی ستیانہ روڈ فیصل آباد۔ فون:- ۲[illegible]۲۵۳ء

قلب سلیم اور نور نبوت

خطاب امیر محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○

اللہ جل شانہ نے انسان کو بے شمار انعامات سے نوازا ہے اور اپنی اس تخلیق کو اپنی صنعت کا شاہکار قرار دیا ہے فرمایا لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم ہم نے انسان کو بہت ہی خوبصورت اور بہت ہی نپے تلے اور مکمل امتزاج سے اور چیزوں کے نسبت اور تناسب سے تخلیق کیا ہے۔ علماء نے انسان کو عالم صغیر کہا ہے' عالم کبیر ساری دنیا کو کہا ہے اور انسانیت کے ایک ایک فرد کو عالم صغیر کہا ہے۔ جس طرح پوری دنیا میں زمینیں ہیں' آسمان ہیں' بے شمار طرح کی مخلوق زمینوں میں ہے' بے شمار قسم کی مخلوق آسمانوں میں ہے' بادل ہیں' ہوائیں ہیں' موسم ہیں' بلندیاں ہیں' نشیب ہیں' خشکی ہے' صحرا ہے' سمندر ہیں' دریا ہیں' پھل دار درخت ہیں' پھول ہیں' چمنستان ہیں' خاردار جھاڑیاں بھی ہی' خوبصورت جانور بھی ہیں' ہیبت ناک درندے بھی ہیں' اسی طرح کا عالم صغیر ہے ہر فرد۔ اس کے اندر زمین اور آسمان کا تفاوت اس کے سر اور پاؤں میں ہے۔ جہان بھر کی روشنیاں اس میں جمع ہوتی ہیں۔ اس کے اندر موسم بدلتے ہیں' اس کے اندر بجلیاں کڑکتی ہیں' بارشیں برستی ہیں۔ اس کے اندر بے شمار قسم کی مخلوق بستی ہے' ایک ایک قطرے میں اربوں جراثیم پائے جاتے ہیں' وہ پیدا ہوتے ہیں' مرتے ہیں' ایک دوسرے سے لڑتے ہیں' کبھی ایک فتح پاتا ہے کبھی دوسرا غلبہ' پورا جہان اندر آباد ہے اور اس کا ایک اپنا نظام ہے۔ اس میں جو کمالات انسانی زندگی سے متعلق ہیں' جو اس کو اس قابل بناتے ہیں' جو اس کا مقصد تخلیق ہے وہ اس کے حواس ہیں۔ یہ حواس سبب بنتے ہیں' اس کا رشتہ عالم کبیر سے جوڑنے کا اور عالم کبیر کے ساتھ رشتہ جوڑنے کے بعد جب یہ ترقی کرتا ہے تو پھر خالق کے ساتھ اس کا تعلق بنتا ہے۔ اس ساری کائنات میں جب اس کا رشتہ استوار ہوتا ہے اس کی گرم سردی' اس کا نظام' اس کا چلنا' وہ سب دیکھ کر پھر اپنی ذات کو دیکھتا ہے' اپنا مقام دیکھتا ہے' اپنی حیثیت دیکھتا ہے۔ تو پھر اسے یہ خیال آتا ہے کہ اس سارے کے پیچھے کون ہے وہ پردہ اٹھایا جائے تو یوں جو ارشاد نبویؐ ہے من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے اپنی ذات کو پہچان لیا اپنے آپ کو پہچان لیا اس نے اللہ کو پہچان لیا' اپنے پروردگار کو پہچان لیا او کمال قال رسول اللہؐ۔

اس کے یہ حواس بڑے عجیب ہیں۔ اب جس طرح گوشت پوست ہے اسی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا اس کے منہ میں ہے اسے اللہ نے قوت گویائی دے دی ہے۔ وہ بھی اس جسم کا حصہ اور وہی گوشت چند پٹھے ہیں ان پر نرم سی ایک کھال چڑھی ہوئی ہے جسے آپ زبان کہتے ہیں۔ قرآن حکیم میں آتا ہے کہ میدان حشر میں انسان حیلہ بازی کرے گا کہ یہ میں نے نہیں کیا یہ فرشتوں نے ویسے ہی لکھ دیا تو اللہ کریم اس کے اعضاء وجوارح کو' اس کے ہاتھ پاؤں کو' بدن کی جلد کو حکم دیں گے بتاؤ بھئی تم تو اس کے ساتھ تھے کیا بات ہے۔ وہ بتائیں گے تو حیران ہو کر پوچھے گا تم ساری زندگی تو نہیں بولے میرے ساتھ' دنیا میں' برزخ میں تم نے بات نہیں کی آج تم بولنے لگ گئے تو وہ کہیں گے ہم بھی ویسا عضو ہیں جیسے زبان ہے جس طرح اسے اس نے قوت گویائی دے دی اسی طرح آج ہمیں بھی دی ہے' وہ بھی تو گوشت کا ایک لوتھڑا تھا جو باتیں کرتا تھا آج ہم کر رہے ہیں۔ یہ ایک ذریعہ ہے عالم کبیر کے ساتھ اس کے رابطے کا۔ اسی طرح چند جھلیاں ہیں اور ان میں رطوبت ہے اسے ہم آنکھ کہتے ہیں۔ کوئی اس میں عجیب چیز نہیں لگی ہوئی جو انسانی گوشت سے یا انسانی خون سے یا انسانی اعضاء وجوارح سے الگ ہو اسی خون سے اجزا نکل کر آتے ہیں جن سے یہ جھلیاں ترتیب پاتی ہیں یا ان میں وہ ایک نمی سی آجاتی ہے' پانی بھرا ہوتا ہے۔ وہ ایک راستہ ہے اس عالم کبیر کے ساتھ اس کا رابطہ قائم کرنے کا۔ ہر شے کو دیکھتا ہے اس کے رنگ' اس کی شکل' اس کا حجم' اس پہ بے شمار تحقیقات کرتا چلا جاتا ہے۔ تہہ در تہہ پردوں کو اٹھاتا چلا جاتا ہے۔ اسی طرح قوت سماعت ہے وہی گوشت' چار رگیں' چمڑے کی کھال' کان ہے جی یہ سن رہا ہے۔۔۔۔۔ تمام حواس کا یہی حال ہے۔

اسی طرح ایک گوشت کا لوتھڑا اس کے سینے میں بھی ہے۔ اس بدن کا حصہ ہے' اتنا سا گوشت ہے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام فرماتے ہیں کہ بدن میں گوشت کا ایک لوتھڑا ایسا ہے اذا صلح صلح الجسد کلہ اگر اس کی اصلاح ہو جائے تو سارے بدن کی' سارے انسان کی اصلاح ہو جاتی ہے اور اگر وہ خراب ہو جائے' اس میں فساد آجائے تو سارے انسان کو تباہ کر دیتا ہے' سارے جسد کو تباہ کر دیتا ہے الوھی القلب۔ اچھی طرح جان لو کہ یہ قلب ہے۔ قلب کیا ہے؟ ایک پمپنگ مشین ہے' ایک گوشت کا لوتھڑا ہے' اس میں کچھ خون ہے' کچھ ذرات ہیں لیکن سب کچھ یہی نہیں ہے جس طرح زبان گوشت کا لوتھڑا ہے لیکن اس میں قوت گویائی ہے' کان جس طرح گوشت ہیں لیکن اس میں قوت سماعت ہے اس طرح دماغ ٹیڑھی میڑھی سی رگیں ہیں اور ان میں ایک سفید سی رطوبت بھری ہوئی ہے تو اس گوشت میں سے تو کچھ پتہ نہیں چلتا

لیکن وہ اتنا بڑا کمپیوٹر ہے کہ اس کے ساتھ کا کمپیوٹر ایجاد کرنا ممکن نہیں اور اس میں تہہ در تہہ فائلیں لگی ہوتی ہیں اپنی اپنی جگہ پر' اس کا سارا سسٹم خودکار ہے' آٹومیٹک ہے۔

ہم نے ایک آدمی کو دیکھا' اس سے ہماری بات چیت ہوئی' اس سے ہمارا سودا طے ہوا پھر برسوں الگ ہو گئے اس نے وہ فائل کلوز کر دی۔ بیس پچیس سال بعد سڑک پر ایک بندے کو دیکھا ہم ٹھٹھک گئے ایک لمحے میں اس کا خودکار نظام وہ فائل کھول کے سامنے رکھ دیتا ہے۔ آپ دیکھ رہے تھے ہاں یہ وہ شخص ہے ہاں وہ ساری تصویر سامنے آجاتی ہے وہاں اس سے بات ہوئی تھی یار اس وقت تو اس کے دانت سلامت تھے' عینک بھی نہیں تھی' بال سیاہ تھے اب تو یہ بوڑھا ہو گیا لیکن بندہ وہی ہے۔ Within no time ساری فائل سامنے آجاتی ہے۔ دیکھا یہ ہے کہ جب سے ہم نے دنیا کی چیزوں کا توتلی زبان سے نام لینا سیکھا ہے یا عارضی طور پر دیکھا چار پانچ سال کی عمر میں تو بارہا ایسا ہوتا ہے کہ اس وقت کی باتیں یاد آجاتی ہیں' وہ سین آنکھوں میں پھر جاتا ہے' اس عہد کے لوگ یاد آجاتے ہیں اگرچہ وہ عمر' عقل مندی یا دانش کی نہیں ہوتی۔ اگر دیکھیں کہ اس کمپیوٹر میں کیا ہے' اگر سارے کو کھول دیں تو ٹیڑھی میڑھی سی رگیں ہیں اور ان میں وہ گاڑھی سی رطوبت سی بھری ہوئی ہے اور کچھ بھی نہیں ہے۔

اسی طرح دل جو ایک گوشت کا لوتھڑا ہے اس میں بھی ایک لطیفہ ربانی ہے۔ لیکن کہتے ہیں کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا اب یہ بڑی عجیب بات کتنی سادہ ہے کہ سب کی سمجھ میں آتی ہے کہ آنکھیں' ہیں تو خون' گوشت اور پانی ہی لیکن ان میں بصارت ہے۔ زبان ہے تو گوشت کا ٹکڑا لیکن اس میں گویائی ہے۔ آنکھ' کان' ناک ویسے ہی گوشت کے ٹکڑے ہیں لیکن ان میں یہ کمالات ہیں۔ لیکن جب دل پہ بات آتی ہے تو کہتے ہیں' سمجھ میں نہیں آتا کہ اس میں لطیفہ ربانی کس طرح سے ہے۔ سمجھ میں کیوں نہیں آتا؟ ہاتھ میں لمس ہے' گرمی سردی محسوس کرنے کی حس ساری جلد میں موجود ہے' بصارت ہے' سماعت ہے' گویائی ہے' سونگھنے کی حس ہے' سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہے اس جسم کے اعضاء جوارح میں' اسی طرح دل میں بھی ایک لطیفہ ربانی ہے درحقیقت وہ لطیفہ ربانی جو دل میں ہے اور جسے قرآن کریم قلب کہتا ہے۔ قرآن کریم میں ہی ہے کہ جو اللہ کے پاس اپنے قلب کو سلامت لایا "قلب سلیم" اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ یہ دھڑکنے والا گوشت کا لوتھڑا سلامت لایا' یہ تو سب کا سلامت ہی جاتا ہے۔ جب تک زندہ رہتے ہیں دھڑکتا رہتا ہے جب دھڑکنا بند کرتا ہے تو آگے چلا جاتا ہے تو کٹا ہوا تو نہیں جاتا۔ قلب کی سلامتی سے مراد وہ لطیفہ ربانی ہے' وہ کمال ہے' جو اس پمپنگ سٹیشن کے اندر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ وہ سلامت کیسے ہو؟ اس کا اپنا ایک جہان ہے' اسے جلا چاہئے' روشنی چاہئے' نور چاہئے' زندگی چاہئے' حیات چاہئے' اپنی روح چاہئے اور قلوب کی روح ہوتی ہے نور نبوت۔

آپ کسی بندے کو اگر پیدا ہوتے ہی انسانوں سے الگ کر دیں' بالغ ہونے تک انسان کی کوئی آواز نہ سننے دیں اور کوئی بندہ اس سے بات نہ کرے تو اس میں بولنے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوگی' سائنس دانوں نے یہ تجربات کئے ہیں' وہ بات نہیں کر سکے گا' جانوروں کی طرح آوازیں نکال سکے گا بات نہیں کر سکے گا۔ اس میں اصل قوت گویائی تو موجود ہے لیکن وہ ٹیچ چاہتی ہے جو اسے بولنا سکھائے۔ یہی حال تمام اعضاء کا ہے کسی کی آنکھ بند کر دیں' اسے دیکھنے نہ دیں تو اس سے بصارت جاتی رہے گی۔ کان بند کر دیں' اس کو سننے سے محروم کر دیں' روک دیں' کوئی مرض نہ ہو تو بھی ایک عرصہ کے بعد وہ اپنے کام سے جاتے رہیں گے یعنی انہیں باہر سے کوئی ایسا متحرک چاہئے جو ان کی اس صفت کو متحرک رکھے' سلامت رکھے۔ پھر دماغ کتنا اعلیٰ کمپیوٹر ہے' آپ کسی بندے کو سکول نہ جانے دیں' پڑھنے نہ دیں' اسے معلومات بہم نہ پہنچائیں تو کھانے سونے کے علاوہ اس کا دماغ کچھ نہیں سوچے گا' اس کی سوچ محدود ہو جائے گی جانوروں کی طرح۔ اس کے دماغ کے ساتھ محنت کریں' اسے علم مہیا کریں' اسے ترقی دیں تو وہی دماغ دنیا کا ایک عظیم سائنٹسٹ بن سکتا ہے' ایک عالم بن سکتا ہے' ایک مناظر بن سکتا ہے' ایک فقیہہ بن سکتا ہے' ایک محقق بن سکتا ہے' سکالر بن جاتا ہے۔ لیکن اگر اسے وہ وسائل نہ دیں جن سے اسے وہ معلومات پہنچیں تو وہ کچھ نہیں بن سکتا۔ اسی طرح یہ جو دل کے اندر لطیفہ ربانی ہے اس کی بھی ضرورت ہے کہ اسے باہر سے کوئی تحریک ملے' وہ تحریک اس میں حیات پیدا کرے' اس میں شعور بیدار کرے' اس کی آنکھ کو کھولے' اس میں بینائی پیدا کرے' اسے بولنے کی جرات عطا کرے' اسے بولنا سکھائے' اسے پہچان دے' یہ بھلا برا پہچان سکے' اسے لذت اور کڑواہٹ' تلخی یا مٹھاس کو سمجھنے کا فرق دے' اس کی پوری تربیت اس کی ضرورت ہے تاکہ یہ بالغ ہو' جوان ہو' پھر یہ حواس خمسہ انسان کو اس عالم کبیر کے ساتھ جوڑتے ہیں اگر اس کے حواس بیدار ہوں تو وہ خلاق عالم کے ساتھ اس کو پیوست کر دیتے ہیں۔ یہ جتنے ہمارے حواس خمسہ ظاہری حواس ہیں ان کی رسائی یا ان کی پہنچ اس عالم کبیر تک ہے۔ اس عالم صغیر کو اس عالم کبیر کے ساتھ جوڑ دیتے ہیں۔ اس کی گرمی سردی' اس کے شب و روز اس کی شہرت یا اس کی عزت یا اس کی حکومت یا اس کا اقتدار یا مال و دولت یا اس کے فوائد ان کی لذات یا اس کی تکلیفیں اور ان کے دکھ پریشانیاں یا اس میں صحت مند رہنا یا بیماری اس کا تدارک علاج یہ سارا کچھ اس عالم کبیر اور عالم صغیر کے رابطے کا سبب بن جاتے ہیں یہ حواس خمسہ۔

دل کی' قلب کی سلامتی یہ ہے' بیداری یہ ہے کہ اسے نور نبوت مل جائے۔ اگر نور نبوت نہ ملے تو قرآن حکیم اسے زندہ شمار نہیں کرتا یعنی جس طرح انسانی وجود روح کے بغیر محض گوشت کا لوتھڑا ہوتا ہے اس طرح قلب میں نور نبوت نہ پہنچے تو وہ ایک مردار شے ہوتا ہے' نور نبوت اسے حیات دیتا ہے۔ تو جو ہم اقرار کرتے ہیں لا الہ الا اللہ محمد رسول

اللہ (صلی اللہ علیہ وعلیٰ الہ وسلم) اس کے ساتھ ارشاد ہوتا ہے کہ اقرار باللسان وتصدیق بالقلب۔ زبان سے میں نے اقرار کیا اور میرا دل اس پر یقین کرتا ہے' دل اس کی تصدیق کرتا ہے' اگر تصدیق قلبی نہ ہو تو بندہ مسلمان نہیں ہوتا۔ وہ جو تصدیق قلبی ہے وہ یہ ہے کہ دل کا تعلق نور نبوت سے قائم ہوا اب اسے تربیت کی ضرورت ہے۔ اسے جلا بخشنے کی ضرورت ہے۔ بڑی عجیب بات ہے کہ آپ دماغ کو تربیت دینے کے لئے بیس پچیس برس یا ساری ساری زندگی مختلف انسٹی ٹیوشن میں' اداروں میں' مدارس میں' یونیورسٹیوں میں دھکے کھاتے ہیں تب جاکر کہیں بات بنتی ہے' دوسری جتنی آپ کی قوتیں ہیں سوچنے کی' سمجھنے کی' سننے کی' دیکھنے کی' ان سب کو بتدریج محنت کر کرکے ایک مقام تک لایا جاتا ہے۔ لیکن جب دل کو جلا ملتی ہے تو خواہ کوئی علم کسی نے سیکھا یا نہ سیکھا' اگر دل کو حیات مل گئی تو ان اعضاء وجوارح میں اس کے خزانے آجاتے ہیں یہ بڑی عجیب بات ہے۔

اس کی مثال ہے صحابہ کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین۔ قرآن کے مثالی مسلمان صحابہ کرام ہیں اور ان کی زندگی کا ہر پہلو مثالی ہے۔ آپ دیکھئے کہ ہمارے ہاں ایک آدمی کو آپ لیتے ہیں آفیسر اور اسے جرنیل بنانے تک اس کی بھنویں سفید ہو چکی ہوتی ہیں' اس کی عمر لگ جاتی ہے' دنیا بھر کے اداروں سے وہ تربیت پاتا ہے اس کے باوجود کتنے جرنیل ہیں جو تاریخ میں یاد رہ جاتے ہیں یا جنہیں کامیاب جرنیل کہا جاتا ہے' بہت کم۔ لیکن چونکہ نبی علیہ الصلواۃ والسلام میں یہ قوت تھی کہ اک نگاہ پڑی تو جتنی تربیت چاہئے تھی دل کو ایک آن میں اسے مل گئی وہ دل' وہ بندہ صحابی ہو گیا۔ صحابی سے مراد یہ ہے کہ قلب انسانی میں جس قدر صلاحیت اللہ نے کمالات کے اخذ کی رکھی ہے وہ سارے اسے نصیب ہو گئے' وہ خواہ دیانت ہے' امانت ہے' علم ہے' عمل ہے' تقویٰ ہے' ورع ہے' جو بھی کمال وہ حاصل کر سکتا ہے اس ایک نگاہ نے اسے عطا کر دیا۔ آپ دیکھیں ایک آدمی آیا اس نے اسلام قبول کیا' اونٹوں کا گلہ چھوڑ کر آیا حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے جانے والی فوج کا اسے جرنیل بنا دیا کہ جاؤ تم اس کے انچارج ہو وہ جرنیل بن گیا۔ کامیاب ترین جرنیل کوئی ایسا جرنیل دکھایئے جسے تاریخ بھلا سکتی ہو؟ کوئی ایک نام جسے ناکام جرنیل کہا جا سکے یا کوئی ایک نام جسے کہا جائے جی بس یوں ہی سا آدمی تھا۔ کسی مدرسے نہیں گیا' کسی سکول نہیں گیا' کوئی جنگی چالیں اور پریکٹس کسی سے پڑھی نہیں' سیکھا نہیں کسی سے' اسے ساری سمجھ آگئی کہ میدان جنگ کیسا ہونا چاہئے' دشمن کی فوج کدھر ہو تو ہماری فوج کہاں ہونی چاہئے' کتنے بندے آگے کتنے پیچھے رکھنے

ایک آدمی آیا اس نے اسلام قبول کیا' اونٹوں کا گلہ چھوڑ کر آیا حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے جانے والی فوج کا اسے جرنیل بنا دیا کہ جاؤ تم اس کے انچارج ہو وہ جرنیل بن گیا۔ کامیاب ترین جرنیل کوئی ایسا جرنیل دکھایئے جسے تاریخ بھلا سکتی ہو؟ کوئی ایک نام جسے ناکام جرنیل کہا جا سکے

چاہئیں' کتنے دائیں بائیں رکھنے چاہئیں۔ کسے ہراول میں رکھوں کس کو پیچھے رکھنا چاہئے امداد کے لئے' کس کو دائیں بائیں۔ یہ سارا اسے کس نے سکھا دیا کس میں صلاحیت ہے۔ دل میں جب وہ کمال آیا' دل جب اپنے کمال کو' اپنے جوبن کو پہنچا تو اس عالم کبیر کے سارے علوم اس نے جذب کر لئے' اسے ضرورت ہی نہیں پڑی کہ مدرسے جاتا' کسی انسٹی ٹیوشن میں جاتا' کسی ادارے میں جاتا۔ جو ادارے میں عمریں گننے لگا وہ پیچھے رہ گیا' وہ ان سے آگے نکل گیا۔ ایک نہیں آپ حضور علیہ الصلواۃ والسلام کے کسی ایک صحابی کو لے لیں جس شعبے کا اس کا مزاج ہے جس شعبے کا وہ آدمی ہے اس شعبے میں وہ انتہائے کمال پہ نظر آئے گا۔ بھئی کسی سکول نہیں گیا' کسی مدرسے نہیں گیا' کسی دانشور کے پاس نہیں بیٹھا' کوئی کورس نہیں کی' اگر کوئی طبیب ہے تو وہ طب کے کمال پر یعنی طبابت کی یا میڈیکل سائنس کی کمال تک پہنچا۔ حد ہو گئی کہ جو کچھ انہوں نے کہا چودہ سو سال دھکے کھانے کے بعد آج کی جدید میڈیکل سائنس بمشکل اس کی تصدیق کو پہنچی ہے کہ بات یہ ٹھیک ہے وہ بھی چند امور میں ہے بے شمار ابھی باقی ہیں۔

باٹنی کا ایک پروفیسر میرے پاس آگیا تو وہ کہنے لگا جی ہم نے تو پڑھا باٹنی میں اور ہمیں اب سمجھ آئی کہ درخت کی جڑ زمین سے غذا لیتی ہے تو اس ساری غذا کو سیدھا وہ پتوں میں بھیجتی ہے' ہر پتے میں سورج کی تمازت سے ایک بھٹی لگی ہوئی ہے' ہر پتے میں حدت ہے' گرمی ہے جہاں وہ غذا پکتی ہے' پورا کارخانہ ہے اور وہ پکا کر اسے پھر واپس کرتا ہے اور وہ تقسیم ہوتی ہے کہ تنے کے لئے کیا چاہئے' تنے کی کھال کے لئے کیا چاہئے' ٹہنی کس سے نکلے گی' نئی کونپل کن اجزاء سے پھوٹے گی' خود پتے کو کیا چاہئے' پھول کے لئے کیا چاہئے' اگر پھل لگنا ہے تو اس کے لئے کیا چاہئے' پھر وہ ساری تقسیم ہو کر الگ الگ جاتی ہے جبکہ اس زمانے میں قرآن نے کہا وجعلنا من الشجر الاخضار النار ہم نے سبز پتے میں آگ قید کر رکھی ہے۔ وہ کہنے لگا جی ہمیں تو اب سمجھ آئی عمر لگا کر کہ آج سے چودہ سو سال پہلے یہ تصور کس نے دیا کہ ہر پتے میں بھٹی لگی ہوئی ہے اور اس میں آگ جل رہی ہے' اس میں چیزیں پک رہی ہیں' کس نے دیا یہ تصور؟ سوائے اللہ کے کوئی نہیں دے سکتا۔ اتنا عرصہ دھکے کھانے کے بعد سائنس اس قابل ہوئی کہ اپنے آپ کو سمجھا سکے کہ یہ حق ہے۔

جن قلوب کو نور نبوت سے جلا ملی انہوں نے صرف یہ کہا نہیں کہ یہ حق ہے بلکہ اس حق سے مستفید ہوئے اور دنیا کو مستفید فرمایا۔ یہ فرق ہے قلب کی حیات میں اور قلب کی موت میں۔ یہ بات

میری سمجھ میں نہیں آتی کہ لوگوں کو اس کی سمجھ کیوں نہیں آتی۔ شاید لوگ سمجھنا نہیں چاہتے ورنہ جس طرح سارے اجزائے بدن' خون اور گوشت سے بنے ہوئے ہیں اس طرح دل بھی خون اور گوشت سے بنا ہوا ہے۔ اگر ان سب میں جو خصوصیات ہیں وہ مانتے ہو کہ وہ سائنس بتاتی ہے اور قلب کی خصوصیت صرف اس لئے نہیں مانتے کہ یہ قرآن یا اللہ کا رسول بتاتا ہے (صلی اللہ علیہ وسلم)۔ اصل ذریعہ علم تو اللہ اور اللہ کا رسولؐ ہے سائنس تو خود اپنی تردید روز کرتی ہے۔ سائنس تو خود کو روز جھوٹا ثابت کرتی ہے کہ میں نے جو کل کہا تھا مجھے غلطی لگی اصل بات یہ ہے اور اگلے دن پھر اصل بات اور ہوتی ہے۔

قلب کو حیات نصیب ہوتی ہے نور نبوت سے' نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے ساتھ رابطہ قائم ہونے سے۔ جب حضورؐ اس عالم آب وگل میں جلوہ افروز تھے تو جس پر آپؐ کی نگاہ پڑ گئی یا جس کو آپؐ پر نگاہ ڈالنا نصیب ہو گیا ایمان کے ساتھ تو ایک نگاہ اس کے لئے کافی ہو گئی۔ اس ایک نگاہ سے سارے کمالات اس میں آ گئے۔ لوگ بجلی کے اثر کو مانتے ہیں کہ جسم اس سے ذرہ سا ٹچ ہو جائے تو ساری بجلی جسم میں گھس جاتی ہے' دھوپ کے اثر کو مانتے ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بندے کو باہر بھیجو پوری دھوپ اس میں پائی جاتی ہے' بارش کے اثر کو مانتے ہیں کہ بارش شروع ہو ایک لمحہ باہر بھیجو سارا بھیگ جائے گا۔ تو اس کے نور نبوت کی برسات کو ماننے میں کیا مانع ہے جب کہ اس کے اثرات تاریخ کے صفحات پر سورج سے زیادہ روشن ہیں اور ایک ایک واقعہ بتا رہا ہے کہ قلب کی حیات' قلب کی زندگی اور نور نبوت سے قلب کی بیداری سے کیا انقلاب آتا ہے اور بندہ کیا سے کیا بن جاتا ہے۔ آپؐ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد صحابہ کرام میں بھی یہ قوت رہی کہ جو ان کی صحبت میں بیٹھا تابعی ہو گیا تابعین میں بھی یہ قوت تھی جسے کسی تابعی کی مجلس نصیب ہوئی وہ تبع تابعی ہو گیا اور یہ وہ لوگ ہیں جن کے بارے میں حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا! خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم۔ اوکما قال رسول اللہؐ۔ جس طرح علوم ظاہری تقسیم ہوئے' ادارے بنے' مراکز بنے اور لوگوں کو سینہ بسینہ پہنچائے جاتے رہے اسی طرح چونکہ اسلام میں بھی توراث ہے یہ وراثتاً" آ رہا ہے اور اب اگلوں کو وراثتاً" ملتا ہے اس میں نہ کوئی شے بنائی جا سکتی ہے نہ بڑھائی جا سکتی ہے نہ کم کی جا سکتی ہے یہ اللہ کا دین ہے' رسول اللہؐ سے صحابہ نے'

دھوپ کے اثر کو مانتے ہیں کہ ایک لمحے کے لئے بندے کو باہر بھیجو پوری دھوپ اس میں پائی جاتی ہے' بارش کے اثر کو مانتے ہیں کہ بارش شروع ہو ایک لمحہ باہر بھیجو سارا بھیگ جائے گا۔ تو اس کے نور نبوت کی برسات کو ماننے میں کیا مانع ہے جب کہ اس کے اثرات تاریخ کے صفحات پر سورج سے زیادہ روشن ہیں اور ایک ایک واقعہ بتا رہا ہے کہ قلب کی حیات' قلب کی زندگی اور نور نبوت سے قلب کی بیداری سے کیا انقلاب آتا ہے اور بندہ کیا سے کیا بن جاتا ہے

ان سے تابعین تبع تابعین نے' ہمارے پہلوں نے' سلف صالحین نے ہم تک پہنچایا۔ ہماری ذمہ داری اسے آگے پہنچانے کی ہے' اس میں توارث ہے' وراثت کے طور پر ہے' یہ جس سے امریکہ بڑا خائف ہے کہ یہ فنڈا مینٹل ازم ہے۔ یہ صحیح بات ہے۔ یہ ہے ہی فنڈا مینٹل ازم۔ اسلام کو اگر آپ فنڈا مینٹل ازم کہہ دیں تو یہ اس کا دوسرا نام بن جاتا ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں ہے یہ ہے ہی بنیاد پرستی۔ جو بات بنیاد میں ہے آخر تک وہی ہے' اس میں کوئی تبدیلی نہیں اور نہ کوئی اس میں تبدیلی لا سکتا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ امریکہ کی بات اس میں نہیں چلتی وہ اس لئے اس کے خلاف ہیں۔ وہ چاہتے ہیں کہ یہ کیا ہے اپنی بات بھی رکھو کچھ ہماری بھی اس میں تھوڑی سی ڈال لو اس کے لئے اس میں کوئی درز کوئی روزن کوئی جگہ نہیں ملتی اس لئے وہ اس کے خلاف ہیں اس لئے نہیں کہ انہیں اس سے کوئی چڑ ہے انہیں چڑ اس بات سے ہے کہ ہماری بات بھی اس میں کچھ آئے لیکن اس کے لئے گنجائش نہیں ہوتی وہ پھر اس سے خائف ہیں یا اس کے خلاف ہیں۔

اس وراثت کے مختلف شعبے مختلف حضرات میں بٹ گئے۔ کسی نے فقہی احکام کو ترتیب دیا' انہیں کتابوں میں لکھا' آگے پہنچایا یوں ایک شعبہ بن گیا فقہ کا' لوگ فقیہ کہلائے۔ کسی کی عمر صرف ہو گئی قرآن کریم کی تفسیر اور اس کی تشریح اور اس کے متعلقات بیان کرتے ہوئے وہ مفسر کہلائے۔ عمریں صرف کر دیں لوگوں نے احادیث پاک کو سیکھنے میں' سمجھنے میں' بیان کرنے میں' وہ محدث کہلائے۔ اسی طرح ایک شعبہ یہ بھی بن گیا جو دل والوں کا تھا' جنہوں نے عمریں صرف کر دیں کمالات قلبی کے اخذ پر' نور نبوت کے قلوب میں سمونے پر' ساری ساری عمریں صرف کر کے یہ خزانہ اپنے سینے میں سجایا اور اسے پھر ایک ایک فرد میں بانٹا۔ بڑی عجیب بات ہے' ظاہری علوم کے لئے منتیں کرنا پڑتی ہیں' علماء کے قدم چھونے پڑتے ہیں کہ اس بچے کو آپ ضرور رکھیں' داخلہ دیں' انہیں پسند آئے نہ آئے' کوئی بھی ہو' فقہ ہو' تفسیر ہو' حدیث ہو' سائنس ہو' جدید علوم ہوں' دینی ہوں' دنیوی ہوں' ان کے پیچھے پھرنا پڑتا ہے لیکن یہ دل والوں کی نگری عجیب نگری ہے' یہ ایک ایک بندے کے پیچھے خود پھرا کرتے ہیں یعنی جن کے پاس حقیقی دولت ہے اور جن کے پاس ایسی دولت ہے کہ اگر اس کا کوئی شمہ نصیب ہو جائے تو ظاہری علوم والے ساری زندگی جو دیتے رہتے ہیں اس سے کروڑوں گنا زیادہ ایک آن میں نصیب ہو جاتا ہے۔ ارے بھائی! سارے علوم کی انتہا تو یہ ہے

کہ بندے کی اپنی حیثیت اور اللہ کی عظمت کا اندازہ ہو جائے' ساری تفسیر کا حاصل بھی یہ ہے' ساری فقہ کا حاصل بھی یہی ہے اور اگر ایک نگاہ میں یہ یقین نصیب ہو جائے تو گویا سارے علوم اسے ایک نظر میں مل گئے لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ علوم ظاہری کے لئے لوگ اساتذہ کے پیچھے پھرتے ہیں اور دل والوں کی نگری عجب نگری ہے کہ یہ لوگوں کے پیچھے پھرا کرتے ہیں ایک ایک بندے کے پیچھے پھرا کرتے ہیں اور بڑے خوش ہوتے ہیں وہ لوگ جنہیں یہ دولت نصیب ہوتی ہے۔

آپ کسی کی زبان سے وعظ سننا چاہتے ہیں تو اس کا موڈ بنے گا تو وہ کرے گا۔ آپ اسے پتھر ماریں' تھپڑ ماریں' بے عزتی کریں' کہیں اب تقریر بھی سنا دو تو وہ تو نہیں کرے گا۔ زبان بھی وہی ہے' بندہ وہی ہے' علوم اس کے وہی ہیں لیکن وہ تو نہیں کر سکے گا تو دل تو اس سے زیادہ حساس ہوتا ہے جب آپ کسی کے دل سے کوئی چیز لینا چاہتے ہیں تو پھر آپ کو ایسا رستہ بنانا پڑتا ہے کہ اس کا دل اسے دینے پہ مائل ہو جائے۔ پھر یہ ایک ایک تار جڑتی رہتی ہے' یہ قطرے قطرے سے دریا بن جاتا ہے' سمندر بن جاتا ہے۔ حسب ہمت' حسب توفیق' حسب عطاالٰہی' اسباب بنتے رہتے ہیں' ہم نے دریاؤں کو بنتے بھی دیکھا ان بلندیوں پر آنسوؤں کی طرح ایک قطرہ ٹپکتے بھی دیکھا' پھر اس پر بڑھتے' بڑھتے' بڑھتے' ندی بنی' پھر نالہ بنا' پھر دریا بنا اور اسے ہم نے آکر بڑے دریاؤں میں گرتے بھی دیکھا۔ اسی طرح اس میں بھی ایک ایک ریشہ جڑتا جاتا ہے آپ کے ایک ایک ذکر کا' ایک ایک سجدے کا' ایک ایک کیفیت جو حضور حق کی نصیب ہوتی ہے کبھی دعا کرتے ہوئے نصیب ہو جاتی ہے' کبھی بات کرتے نصیب ہو جاتی ہے' کبھی تنہا بیٹھے' کبھی سجدے میں۔ یہ اکثر جو جاتے ہیں ہوائی سجدے میں' وہ ایک ورزش ہوتی ہے' بندہ اٹھتا بیٹھتا ہے کبھی اللہ مہربانی کرتا ہے' کبھی کوئی حضوری کا لمحہ بھی آجاتا ہے تو یہ اس کے بڑھانے کا سبب بنتا رہتا ہے اور پھر جب اس کی آنکھ وا ہوتی ہے تو دنیا کے علوم تو اس کی گرد بن جاتے ہیں اس لئے کہ یہ عالم بن جاتا ہے علوم آخرت کا' علوم الٰہیات کا' علوم ملکوتی کا' تو دنیا کے علوم تو اس کی گرد بن جاتے ہیں۔ دنیا کی باتیں جب وہ کرتا ہے تو ایسے سمجھ آتی ہے کہ یہ سارا فلسفہ اس نے کیسے سیکھا۔ وہ سیکھتا نہیں ہے' وہ ان ساری چیزوں کو اچک لیتا ہے' ذہنوں سے اچک لیتا ہے' دلوں سے اچک لیتا ہے' کتابوں سے بغیر پڑھے اچک لیتا ہے' یہ قوت آجاتی ہے اور دراصل کرنے کا کام یہی ہے باقی سارے کام اس مقصد کے لئے ہیں کہ یہ کام نصیب ہو۔ یہ اللہ کریم کا احسان ہے کہ ہمیں اس طرح گھوم کر اگلوں نے یہ نعمت پہنچائی۔ کیسی عجیب بات ہے کہ ہم پرائمری کے استادوں کے پیچھے پھرے' مڈل' ہائی کے استادوں کے

سارے علوم کی انتہا تو یہ ہے کہ بندے کو اپنی حیثیت اور اللہ کی عظمت کا اندازہ ہو جائے' ساری تفسیر کا حاصل بھی یہ ہے' ساری فقہ کا حاصل بھی یہی ہے اور اگر ایک نگاہ میں یہ یقین نصیب ہو جائے تو گویا سارے علوم اسے ایک نظر میں مل گئے

پیچھے پھرے' نوکری کے لئے لوگوں کے پیچھے پھرے' محنت مشقت کے لئے لوگوں کے پیچھے پھرے لیکن اس دولت کے لئے ہم نہیں گئے' انہوں نے ہمیں پکڑ کر عطا کی۔ جو سب سے قیمتی چیز تھی اسے ڈھونڈنے ہم نہیں گئے' دینے والوں نے ڈھونڈ ڈھونڈ کر' پکڑ پکڑ کر کہ تم بھی لے لو یار کام آئے گی' تم بھی لے لو' تم بھی لے لو اور ہم ہیں کہ ابھی تک بیٹھے سوچ رہے ہیں کہ لطیفہ ربانی ہوتا بھی ہے کہ نہیں۔

اور میرے بھائی! بات بڑی سادہ اور بڑی سیدھی سی ہے کہ اس کے بغیر انسان انسان نہیں بنتا۔ اور یہ نصیب ہو جائے تو زندگی اور موت کا حقیقی تصور سامنے آتا ہے۔ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی اللھم ربنا ارنا حقیقتہ الاشیاء او کما قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

کلیجی کے گوشت کا ایک ٹکڑا خانہ اقدس پہ تھا۔ حضورؐ تشریف لائے پتہ کیا بھئی گوشت تھا گھر میں اسے طاق میں رکھا ہے لے آؤ جب لایا گیا تو دیکھا کہ وہ پتھر تھا۔ آپؐ نے فرمایا یہ گوشت پتھر کیسے ہو گیا؟ کسی نے کوئی چیز گھر سے مانگی تو نہیں؟ کوئی سائل تو نہیں آیا؟..... رسول اللہؐ پتہ کرایا گیا تھا گھر سے کہ گھر میں کچھ کھانے کو ہے تو ہم نے بتا دیا تھا کہ کچھ نہیں ہے..... فرمایا یہ تو تھا..... یہ تو ہماری نظر میں نہیں تھا..... ہم نے آپؐ کے لئے آپؐ کی خدمت کے لئے رکھا تھا تو یہ تو ہمارے خیال میں نہیں تھا..... فرمایا! اسی لئے اللہ نے اسے پتھر کر دیا۔ اس موقع پر حضورؐ نے فرمایا اللھم ارنا حقیقتہ الاشیاء اللہ ہمیں چیزوں کی حقیقت دیکھنے کی توفیق عطا کر' ہمیں چیزوں کی اصل دکھا۔ فرمایا یہ جو اللہ کے نام پر دینے سے رہ گیا اور اپنی ضرورت کے لئے روک لیا یہ پتھر ہو گیا۔ یہ تو کاشانہ نبویؐ پہ تھا اس لئے اس کی حقیقت ظاہر ہو گئی وہ پتھر ہو گیا۔ عام آدمی کے پاس ہوتا' پھر وہ اسے کھاتا پھر اس کے دل میں پتھر بھرتا یا دل پتھر کا بنا دیتا۔

تو دل میں جب جلا آتی ہے تو اللہ اسے توفیق دیتا ہے حقیقتہ الاشیاء کے دیکھنے کی پھر اسے سمجھ آتی ہے کہ موت کیا ہے اور حیات کیا ہے پھر اسے پتہ چلتا ہے کہ موت جدائی کا نام ہے۔ بدن سے روح کی جدائی کا نام نہیں' مخلوق کا خالق سے جدائی کا نام موت ہے۔ باقی تو نیچر کے پراسس ہیں' فطرت کے پراسس ہیں' فطرت کے معمولات ہیں' وہ چلتے رہتے ہیں لیکن موت یہ ہے کہ زندگی اللہ کی ذات ہے اور اس کے سوا سب موت ہے ھوالحی القیوم وہ زندہ اور قائم ہے باقی سب نہ ہونے کے برابر ہیں۔ جو اس کا ہو گیا وہ زندہ ہے خواہ جہاں بھی ہے' زمیں پر ہے' زیر زمین ہے' جوان ہے' بوڑھا ہے' امیر ہے' غریب ہے' بیمار ہے' وہ زندہ ہے۔ اس

کا رابطہ حیات کے ساتھ ہے' جو اس سے کٹ گیا وہ حیات سے کٹ گیا' وہ شہنشاہ ہے یا سلطان ہے' وہ دولت مند ہے یا سیٹھ ہے' وہ بہت پڑھا لکھا ہے یا ان پڑھ ہے' زندگی سے کٹ گیا جو ذات باری سے کٹ گیا۔ اس کی سمجھ تب آتی ہے جب دل کے احساسات بیدار ہوں ورنہ یہ محض فلسفہ اور باتیں نظر آتی ہیں اور بات نہیں بنتی۔

میرے بھائی اللہ کا احسان ہے چالیس برس بیت گئے اس دشت میں بھاگتے دوڑتے' چلتے پھرتے' جھانکتے' عمر گزر گئی بات سمجھ میں نہیں آسکتی کہ رب جلیل نے اپنے اس بندے کو کیا کچھ دیا تھا' بات سمجھ میں نہیں آتی۔ میری نظروں سے اکثر گزرا' میں نے اکثر دیکھا' اکثر سنا حضرات سے کہ فلاں شخص نے فلاں سے سلوک حاصل کیا اور مکمل سلوک حاصل کر لیا۔ منتہی منازل کو پہنچ گئے' سلوک کی انتہا کو پہنچ گئے۔ اپنی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ عمریں بیت گئیں نہ انتہا آئی نہ اس کی آخیر آئی نہ اس کا کوئی سرا ملا اور مزے کی بات یہ ہے کہ ایک دیا سلائی جو اس شخص (حضرت مولانا اللہ یار خاںؒ) نے ہاتھ میں تھمائی تھی' اللہ کی کروڑوں کروڑوں رحمتیں اللہ کے اس بندے پر' ہم نے اسے جاپان سے لیکر امریکہ کے مغربی ساحلوں تک جلایا' مزے کی بات ہے اس میں مزید تیزی آتی گئی' اس میں کہیں کوئی کمی نہیں آئی۔ اب وہ شعلہ تپاں ہمارے ہاتھ میں جس کی ایک تار ہے۔ جو جنریٹ ہو رہی ہے پاور یا جو طاقت پیدا ہو رہی ہے وہ تو پاور ہاؤس میں ہے۔ ہمارے ہاتھ میں تو اس کی ایک تار ہے کہ ہم نے آپ کو بھی لگا دی' اس کو بھی لگا دی' اس کے بھی لگا دی' اس کے بھی لگا دی۔ میں نے چین سے افریقہ تک کا سفر کیا' میں نے جاپان سے امریکہ کے مغربی ساحلوں تک جہاں دنیا اس طرف بھی ختم ہو جاتی ہے' دنیا اس طرف بھی ختم ہو جاتی ہے ساری دنیا گھومی اور دنیا کا جو بندہ سامنے آیا اس کا قد کاٹھ رنگ شکل علم عقل کچھ نہیں پوچھا' صرف یہ پوچھا یار تمہیں بھی دے دیں' اس نے ہاں کر دی ہم نے دے دی۔ مزے کی بات یہ ہے کہ وہیں نور نبوت کا شعلہ بھڑک اٹھا۔ بھئی کسی کا رنگ دیکھتے' کسی کا قد دیکھتے' کسی کا خشوع و خضوع دیکھتے' کسی کا علم دیکھتے' کسی کا ورع کچھ بھی نہیں دیکھا جو سامنے آگیا ..... بھئی چاہئے! لے لو ..... جس نے ہاں کر دی اس کی جھولی بھر دی۔ اب خدا جانے پیچھے کتنی طاقت ہے' اللہ کے اس بندے کو اللہ کا اور اللہ کے حبیبؐ کا کتنا قرب میسر ہے یا اسے دینے کے لئے اللہ نے کتنا دیا ہے یا اسے کتنا بڑا دل گردہ دیا ہے' کوئی بات اپنی سمجھ میں نہیں آئی اور نہ یہ بات سمجھ میں آنے والی ہے۔

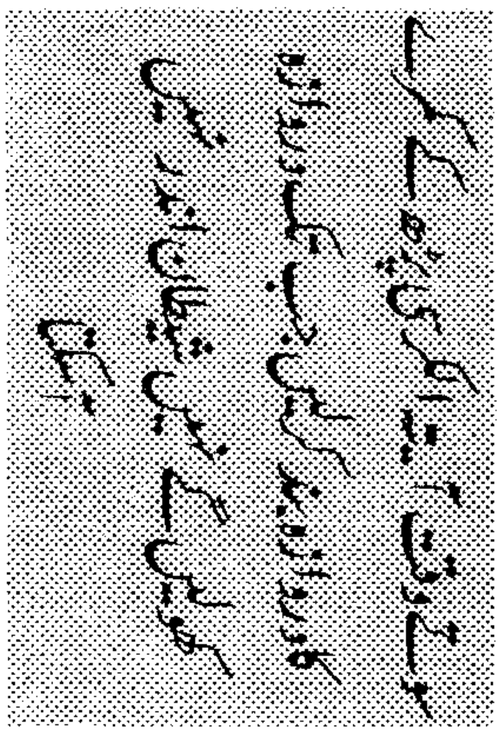

کرنے کا کام یہ ہے کہ جتنا ہو سکتا ہے یہاں سے لوٹو' اس بات کو سمجھنے کی فکر ہی چھوڑ دو۔ جب مل رہا ہے تو اس سوچ پہ وقت ضائع نہ کرو بلکہ اس کو حاصل کرنے پہ وقت لگاؤ۔ اس کے ضابطے' اس کے آداب' اس کے فوائد' دونوں باتوں پہ نگاہ رکھو دامن چھٹنے نہ پائے۔ اس کے آداب اس کے قواعد اس کے ضابطے یہ ہیں کہ دامن پھٹنے بھی نہ پائے اور دامن ہٹنے بھی نہ پائے۔ یہ سوچوں کے دائرے' شیطانی تفکرات بے شمار شکلوں میں آخر اس بات پہ کیوں زور دیتے ہیں کہ ایسا نہ کرو۔ ہم دنیا میں کتنا کچھ کرتے ہیں کوئی ہمیں نہیں روکتا۔ بزنس کرتے ہیں' کاشتکاری کرتے ہیں' نوکری کرتے ہیں' لوگ کہتے ہیں یار اس کی مرضی کرنے دو۔ لیکن جب اس طرف آتا ہے تو بڑے ناصح پیدا ہو جاتے ہیں۔ یہ سارے ناصح زندگی کے دوسرے امور میں انہیں نصیحت کیوں نہیں کرتے۔ اصل میں یہ خود مخالف نہیں ہوتے۔ اصل تکلیف شیطان کو ہوتی ہے کہ کسی کے دل میں وہ نور نبوت نہ آجائے۔ جو بھی شیطان کی بات سنتا ہے شیطان اسے اس کے پیچھے لگاتا رہتا ہے' تم روکو' تم روکو' تم منع کرو' کسی کے بھائی کو' کسی کی بیوی کو' کسی کے دوست کو' کسی کے پیچھے ملاں کو' کسی کے پیچھے وعظ کو' جو جو قابو آتا گیا وہ لگا رہتا ہے۔ یار سوچنے کی بات ہے کہ اسی ملاں' اسی واعظ' اسی بیوی' اسی بھائی' اسی دوست کے سامنے ہم کیا کیا کرتے ہیں تو یہ کہتا ہے خیر ہے یار گزارا کرو جیسا کر رہا ہے ٹھیک ہے' دوست ہے ہمارا۔ تو پھر آخر اللہ اللہ کرنے سے کیا مصیبت آگئی' کیا برائی ہو گئی کہ اتنے ناصح اکٹھے ہو گئے سمجھانے کے لئے۔ اس مخالفت میں اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ بڑی ہی قیمتی شے ہے کہ کتنا جلاپا پیدا کر دیتی ہے ماحول میں اور پوری شیطنت کو ہلا کر رکھ دیتی ہے۔ بڑے مزے کی بات ہے کہ انسانوں کو ہمیشہ شیطان نے پریشان کیا۔ کوئی تو شیطان کو بھی پریشان کرنے کا حربہ ہونا چاہئے تھا اور یہ اللہ اللہ کرنا اصل میں شیطان کو پریشان کرنا ہے۔

حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے فرمایا! (آپؐ کا فرمان ہمیشہ حق ہوتا ہے اور حق ہے)' عمرؓ جس راستے پر آرہا ہو شیطان راستہ بدل لیتا ہے۔ ادیار مزا تو آیا زندگی کا۔ انسان کو اس نے ساری عمر گدھا بنائے رکھا' بڑے بڑے بادشاہوں پر اور سلطانوں پر اس طرح سوار ہوا کہ وہ خدائی دعوے کر بیٹھے اور فرعون بن بیٹھے اب کوئی تو ایسا ہونا چاہئے تھا جسے دیکھ کر شیطان کو بھی بھاگنا پڑے وہ بھی تو خوف کھائے کہ اس راستے سے میں نہ گزروں۔ کیسی عجیب بات ہے یہ وہ دولت ہے جو نور نبوت سے نصیب ہوتی ہے۔

ایک صحابی کو حضور علیہ الصلواۃ والسلام نے گندم کا پہرے دار مقرر کیا۔ بیت المال میں گندم

پڑی تھی' رات کو کوئی شخص چوری کرنے آیا' انہوں نے پکڑ لیا۔ اس نے بڑی منت کی کہ مجھے معاف کر دیں غلطی ہو گئی پھر نہیں آؤنگا اللہ معاف کرتا ہے' اللہ آپ کے درجات بلند کرے آپ فی سبیل اللہ مجھے معاف فرمائیں۔ چھوڑ دیا انہوں نے۔ لیکن صبح جاکر گزارش پیش کر دی بارگاہ نبویؐ میں کہ یارسول اللہؐ! رات کو ایک بندہ آیا تھا چوری کرنے' پکڑا گیا' منت کی اس نے بڑی اور وعدہ کیا کہ آئندہ چوری نہیں کریگا تو میں نے چھوڑ دیا۔ آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا وہ جھوٹ بولتا ہے' بندہ نہیں تھا شیطان تھا اور تجھ سے جھوٹ بول گیا۔ دوسری رات پھر آیا پھر پکڑا گیا اس نے کہا کہ مجھے حضورؐ نے بتایا کہ تو شیطان ہے میں نہیں چھوڑوں گا تمہیں' میں حضورؐ کے پیش کروں گا تجھے۔ اس نے بڑی منت کی اس نے کہا حضورؐ نے سچ کہا میں شیطان ہوں میں وعدہ کرتا ہوں اس گلی سے بھی نہیں گزروں گا۔ یار میں مارا جاؤں گا آج جانے دے۔ پھر چھوڑ دیا۔ صبح پھر عرض کی یارسول اللہؐ رات آیا تھا پکڑا گیا لیکن بدمعاش مان گیا کہ شیطان ہوں تو منت کی میں نے چھوڑ دیا اور اب وعدہ کر گیا ہے کہ اب نہیں آؤنگا۔ فرمایا! جھوٹ بولتا ہے۔ تیسری رات پھر پکڑا گیا۔ اس نے کہا اب نہیں چھوڑوں گا تیری ایسی تیسی تو نے روز تماشا بنا لیا جھوٹ بولتا ہے' اس نے کہا اچھا آج میں آپ سے سچ کہتا ہوں آپ سوتے وقت آیتہ الکرسی پڑھ کے کمرے کا دروازہ بند کرلیں جب تک دروازہ کھولیں گے نہیں شیطان اندر نہیں آسکتا اب تو مجھے چھوڑ دو انہوں نے اسے چھوڑ دیا۔ صبح جاکر حضورؐ کی خدمت میں عرض کیا یارسول اللہؐ یہ ہوا آپؐ نے فرمایا! ہے تو جھوٹا بات سچی کر گیا۔ ہے جھوٹا بے ایمان یہ بات جو تجھے بتا گیا یہ سچ ہے۔

اویار! سارے جہان کو شیطان نے پریشان کیا کوئی ایسے لوگ بھی ہوں جو شیطان کو پریشان کریں۔ میں آپ سے جنت کی حوروں کا وعدہ نہیں کرتا لیکن یہ وعدہ کرتا ہوں کہ اس حربہ سے شیطان چوں چوں کرتا رہے گا۔ کم از کم اسے تو بھگائے پھرو! کچھ تو کرو یار! وہ تو اللہ کی بخشش ہے کس کو کتنا انعام دیتا ہے درجات دیتا ہے کتنا قرب بخشتا ہے وہ ہم سجدے نہ بھی کریں تو اس کی عطا بے حد و بے حساب ہے لیکن یہ موذی جو خدا اور رسول اللہؐ کا' تمام انبیاء علیہم السلام کا' تمام ادیان کا دشمن اور اللہ کا باغی اور اس نے چیلنج کیا تھا کہ اولاد آدم مجھے سجدے کرے گی' تیری بارگاہ ان کے سجدوں سے خالی رہے گی' اس موذی کو تو جوتے مارے جائیں' کوئی کرنے کا کام تو کیا جائے اور یہ ذکر قلبی وہ قوت ہے جو اسے بھی بھگائے بھگائے پھرتی ہے تو پوری محنت سے پوری توجہ سے اپنے پورے انہماک سے اس میں سے جھولیاں بھریں تو یہ ایک قوت ہے اللہ کی دی ہوئی جس سے انسانی زندگی کی عظمت اجاگر ہوتی ہے اور انسان شیطان کے اس چیلنج کا مقابلہ کرنے کی استعداد پا جاتا ہے جو اس نے بڑے تکبر سے کیا تھا جس کے بارے اللہ نے فرمایا تھا ان عبادی لیس لک علیھم من سلطان میرے بندوں پر تیرا رائی برابر بس نہیں چلے گا' کچھ نہیں کر سکے گا تو۔ تو اللہ کریم آپ کو یہ دولت نصیب فرمائے۔ حضرت رحمتہ اللہ عنہ کی ذات گرامی اس کا بحر بے کراں ہیں۔ قدرت نے جو کام حضرت رحمتہ اللہ علیہ سے لیا اس کی مثال تبع تابعین کے بعد صرف آپ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کی ذات میں آکر ملتی ہے اس کے درمیان میں نہیں ملتی۔ ایسا کہنے پر لوگ ناراض بھی ہوتے ہیں' خفا بھی ہوتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے تاریخی اعتبار سے بارگاہ نبویؐ میں جو آیا اسے یہ دولت ملی' وہ مرد تھا' خاتون تھی' پڑھا لکھا تھا' ان پڑھ تھا' امیر تھا' غریب تھا' بچہ تھا' بوڑھا تھا ہر آنے والا صحابی بنا۔ صحابی بننے کے بعد اپنے مدارج ہیں صحابہ کے پاس یہ نعمت اس طرح تھی جو بھی کسی صحابی کے پاس پہنچا تابعی بنا' تابعین کے پاس یہ دولت اس طرح تھی جو بھی کسی تابعی کے پاس پہنچا تبع تابعی بنا اس کے بعد اس طرح نہیں ہوئی۔ لاکھوں لوگ کسی عظیم شخص کی خدمت میں پہنچے ان میں سے چار پانچ چھ سات کو نعمت قلبی نصیب ہوئی باقی کو اعمال ظاہری پر رکھا۔ یہاں سے آکر حضرتؒ کے پاس ہم نے یہ بات دیکھی کہ جو آیا اسے احوال قلبی نصیب ہو گئے۔ بہت نصیب ہوئے یا تھوڑے ہوئے لیکن ہر آنے والے کو نصیب ہوئے۔ یہ بھی ہم نے یہاں دیکھا کہ عورتیں بچے کھلا رہی ہیں' گھروں میں روٹیاں پکا رہی ہیں اور فنافی الرسولؐ بھی ہیں۔ بات ہوتی ہے تو بارگاہ نبویؐ کی بات کرتے ہیں۔ پوری تاریخ تصوف میں کہیں یہ چیز نہیں ملتی کہ ہر آنے والے کو یہ احوال قلبی نصیب ہو جائیں۔

اب یہ اللہ کریم کا احسان ہے' اللہ کریم آپ کو بہت زیادہ ہمت دے' بہت زیادہ توفیق دے اور یہ دولت اتنی حاصل کیجئے کہ اس ملک میں غلبہ اسلام کا سبب بن جائے۔ میں آپ کو پورے یقین کے ساتھ یہ کہہ رہا ہوں کہ آپ کی طاقت' افرادی قوت میں نہیں ہے' آپ کی طاقت مالی قوت میں نہیں ہے' یہ سارے وسائل عارضی ہیں' وقتی ہیں' آپ کی اصل طاقت اس ذکر الٰہی میں اور شیخ کی برکات میں ہے اور برکات نبویؐ میں ہے۔ اصل قوت ہمارا اثاثہ جو ہے' سرمایہ جو ہے وہ یہ دولت ہے باقی وسائل جو ہیں وہ آپ کا رساز ہے' مسبب الاسباب ہے وہ بنا دے گا' بن جائیں گے' حتی الامکاں ہم ان کے لئے کوشش بھی کرتے ہیں' مال بھی دیتے ہیں' جان بھی حاضر ہے لیکن اگر یہ نعمت نہ ہو تو جیسے باقی ہیں ویسے ہم بھی ہیں' کوئی فرق نہیں پڑے گا اگر ہم کامیاب بھی ہو جائیں تو افراد بدل جائیں گے پہلے والے چلے جائیں گے اور آجائیں گے حالات نہیں بدلیں گے۔ حالات تب ہی بدلیں گے' یہ دولت لے کر بدکاروں کی جگہ دین داروں کو بٹھایا جائے۔ دین' دین داروں سے نافذ ہو گا بدکاروں سے دین کی خدمت نہیں ہوتی۔ اللہ کریم آپ سب کو توفیق عطا فرمائے اور اتنی مہلت ضرور دے کہ وطن عزیز پر اسلام کو نافذ دیکھیں۔ آمین

راہ نجات

خطاب محمد اکرم اعوان

ایک بڑی عجیب بات جو قرآن حکیم میں جگہ جگہ ارشاد فرمائی گئی ہے۔ تاریخ عالم بھی جس کی گواہ ہے وہ یہ ہے کہ جہاں بھی اور جب بھی اللہ کا کوئی نبی مبعوث ہوا وہیں باطل اس سے ٹکرایا اور اسے جہاد کرنا پڑا۔ انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام شہید بھی ہوئے ہجرتیں بھی کیں' فاتح بھی ہوئے لیکن یہ ٹکراؤ ہر عہد اور ہر دور میں ہوتا رہا۔ اس پر اگر آپ غور فرمائیں تو یہ بات عجیب تر لگتی ہے کہ نبی' بنی آدم میں مثالی انسان ہوتا ہے جسے اللہ کی طرف سے احکام ملتے ہیں۔ اپنی امت کا پیشوا ہوتا ہے۔ اس کا کردار مثالی ہوتا ہے بلکہ ہر نبی معصوم عن الخطاء ہوتا ہے۔

معصوم وہ نہیں ہوتا جو زندگی بھر گناہ نہ کرے' معصوم وہ ہوتا ہے جس میں خطا کا مادہ ہی نہ ہو۔ ہر نبی سچ بولتا ہے' جھوٹ نہیں کہتا۔ انصاف کرتا ہے۔ ناانصافی نہیں کرتا۔ حق لیتا ہے' دوسروں کے حق کی حفاظت کرتا ہے۔ کسی کے ساتھ زیادتی نہیں کرتا تو پھر نبی کے ساتھ لڑائی کس بات کی۔ نبی تو وہ مثالی انسان ہوتا ہے کہ غیر نبی اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اللہ کا پیارا' مقدس' برگزیدہ' خوبصورت باتیں کرنے والا۔ حق کی حفاظت کرنے والا۔ دوسروں کے حقوق کا محافظ۔ اس کے ساتھ جھگڑا کس بات کا؟ انبیاء علیہم الصلواۃ والسلام سے جھگڑا اس بات پر نہیں رہا کہ وہ عبادت کیوں کرتے ہیں یا اللہ کا ذکر کیوں کرتے ہیں' یا نماز روزے کی بات کیوں کرتے ہیں۔ جھگڑا تب شروع ہوا جب معاشرے میں انہوں نے احکام الٰہی نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا۔

ہر نبی نے مبعوث ہو کر یہ حکم دیا کہ معاشرے میں لوگوں کے جو آپس میں تعلقات ہیں' حاکم و محکوم کے' آجر اور اجیر کے' وہ اس طرح ہوں جس طرح اللہ کریم انہیں قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ اور جس طریقے کو اللہ پسند نہیں فرماتا وہ طریقہ روک دیا جائے۔ اب معاشرے میں جن لوگوں کو اقتدار ملتا ہے وہ اپنی پسند کو قانون کا درجہ دیتے ہیں۔ اپنی رائے سے لوگوں کے حقوق متعین کرتے ہیں۔ اگر اللہ کا قانون نافذ کیا جائے تو ایک عام آدمی اور ملک کا سلطان دونوں اس ملک کے شہری شمار ہوتے ہیں۔ دونوں کو اس قانون کا احترام کرنا پڑتا ہے اور دونوں میں سے جو بھی قانون توڑے اس سے جواب طلبی کی جاتی ہے اور یہ وہ بات ہے جو سلطان و امیر کو پسند نہیں ہے۔ اگر موسیٰ فرعون کو صرف یہ بات کہتے کہ تم اللہ کو مان لو۔ حکومت اسی طرح رکھو۔ قانون وہی

> زمین یا آسمان میں رہنے والی مکلف مخلوق کے علاوہ (انسان' جن' فرشتے یہ مکلف مخلوق ہے) جنہیں ایک وقت تک مہلت دی گئی ہے جس سے ذکر چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں واضح ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی تسبیح کرتا ہے جو نہیں کرتا وہ رہتا ہی نہیں

رکھو' سیاست وہی رکھو جو تمہاری ہے تو فرعون کی غرق دریا کی نوبت نہ آتی۔ لیکن اس نے پوری قوم سمیت غرق ہونا گوارا کر لیا اپنی خواہش و پسند کے نافذ ہونے سے دستبردار نہ ہوا۔

بھلا بتایئے تو سہی کہ کوئی اچھا گانے والا ہو تو لوگ اس پر فدا ہوتے ہیں' خوبصورت آواز ہو' خوبصورت شعر ہو' واہ! واہ! کر اٹھتے ہیں۔ کسی بھی طرح کا وہ حسن ظاہر کا ہو' چہرے یا وجود کا ہو' قد و قامت کا ہو' لب و رخسار کا' آنکھوں کا ہو' بالوں کا ہو' خوبصورت باتوں کا ہو' خوبصورت کردار کا ہو' خوبصورت فکر کا ہو۔ کسی طرف سے بھی آپ حسن کا نغمہ چھیڑیں۔ اور منتہائے کمال ہیں محمد رسول اللہ۔ آپؐ کی ذات کے علاوہ سازی کائنات پر جو حسن تقسیم ہوا ہے اسے یکجا کر لیا جائے تو وہ آپؐ کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔

آپؐ کے جب لب کھلیں تو اللہ کی آیات بیان کریں۔ نبیؐ کی حدیث وارد ہو آیت بھی وحی الٰہی ہے' حدیث رسولؐ بھی وحی الٰہی ہے۔ جسے وحی غیر متلو کہتے ہیں ما ینطق عن الھوی ان ھوالا وحی یوحیٰ۔ یعنی نبی کریمؐ کوئی بات منہ سے نہیں نکالتے سوائے وحی کے۔ بعض علماء حضرات نے یہ قید بڑھانے کی کوشش کی ہے کہ حضورؐ جو بات صرف دین کے لئے فرماتے تھے وہ وحی ہوتی تھی لیکن شاید وہ یہ بات بھول گئے کہ حضورؐ جو فرماتے دین وہی ہوتا تھا۔ علماء حضرات کا علمی مرتبہ بلند ان کا ورع و تقویٰ ہم سے زیادہ' ہم ان کے جوتوں کی خاک کے برابر بھی نہیں مگر میرا دل یہ کہتا ہے کہ حضورؐ جو بھی فرماتے تھے سارا کچھ دین ہی ہوتا تھا۔ کوئی فالتو بات اور حضورؐ کی زبان مبارک سے صادر ہو یہ ممکن نہیں۔ اگر آپؐ نے کسی سے مذاق فرمایا تو وہ بھی معیار بن گیا کہ مذاق اس حد کے اندر کیا جا سکتا ہے تو وہ بھی دین ہو گیا۔ تو پھر بھلا ایسی ہستی سے بھی کوئی لڑتا ہے کہ لوگ تلواریں لیکر لپک پڑیں' پتھر ماریں' ایذائیں دیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں سب سے زیادہ جس کو ایذائیں دی گئیں وہ میں ہوں۔

ابوجہل کے منہ سے ایک مجلس میں اتفاقاً" نکل گیا کہ ہمارا نہ ماننا الگ بات ہے' لیکن یہ ہے اللہ کا رسولؐ" اللہ اس کی حفاظت کرتا ہے۔ کسی نے کہہ دیا کہ جب تم جانتے ہو کہ یہ اللہ کا رسولؐ ہے تو مانتے کیوں نہیں؟ کہنے لگا یہی بات تمہاری سمجھ میں نہیں

آرہی اگر مان لوں تو ہماری حیثیت خاک برابر بھی نہیں رہتی۔ اللہ کی حکومت ہو جاتی ہے۔ اب ہم حاکم ہیں اور لوگ محکوم ہیں' پھر ہم اور دوسرے برابر ہو جاتے ہیں۔

آج اگر یہ کہا جائے کہ ہم نماز' روزہ کرتے ہیں' ذکر اذکار کرتے ہیں' تسبیحات پڑھتے ہیں' دوسرے دینی کام کر رہے ہیں۔ اسلامی قانون نافذ نہ ہو کیا فرق پڑتا ہے؟ تو اللہ کریم فرماتے ہیں الم ترٰی ان اللہ یسبح لہ مافی السمٰوات والارض۔ اے مخاطب تجھے نظر نہیں آتا کہ آسمانوں یا زمینوں میں جس چیز کو وجود ملا ہے۔ ذرہ ہے' قطرہ ہے' ذی روح ہے یا بے جان۔' ارض وسماء کی ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ تو تسبیح کرکے احسان نہیں کر رہا' نہ ذکر کرکے' نہ تبلیغ کرکے' نہ سجدے کرکے۔

یہیں سے اہل حق نے یہ بات لی ہے کہ زمین یا آسمان میں رہنے والی مکلف مخلوق کے علاوہ (انسان' جن' فرشتے' یہ مکلف مخلوق ہے) جنہیں ایک وقت تک مہلت دی گئی ہے جس سے ذکر چھوٹ جاتا ہے وہ فنا ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس لئے کہ یہاں واضح ہے کہ جو کچھ آسمانوں اور زمینوں میں ہے اللہ کا ذکر کرتا ہے اس کی تسبیح کرتا ہے جو نہیں کرتا وہ رہتا ہی نہیں۔ اللہ فرماتے ہیں کیا تو نے ان پرندوں کو نہیں دیکھا جو صفیں بنا بنا کر اپنے پروں کو پھیلائے اور اپنے وجود کو لیکر ہوا میں تیرتے ہیں۔ جنہیں تیرنا آتا ہے انہیں تیرانے والے کا نام بھی آتا ہے۔ جس نے ایک بے زبان کو اتنا ماہر فن بنا دیا۔

اگر یہ سوال کسی کے دل میں پیدا ہو کہ یہ چیزیں کس طرح اللہ کا ذکر کرتی ہیں تو اللہ کریم فرماتے ہیں کل قد علم صلوۃ وتسبیحہ اس نے ہر شے کو اس کی صلوۃ اور اس کی تسبیح سکھا دی ہے۔ اللہ سے بات کرنے کا بھی' اللہ کا ذکر کرنے کا بھی ہر چیز کا اپنا طریقہ ہے

خاک وباد و آب و آتش بندہ اند
با تو مردہ باحق زندہ اند

یہ مٹی' یہ ہوا' یہ پانی' یہ آگ' اس کے نزدیک اس کی مخلوق ہیں۔ زندہ ہیں' اس کا ذکر کرتے ہیں۔ اگرچہ ہوا مکلف نہیں ہے قانون اسلام نافذ کرنے کی لیکن اللہ کے ذکر کرنے کی مکلف ہے۔ بادل' بارش قانون اسلام نافذ کرنے کے مکلف نہیں ہیں لیکن ذکر کرنے کے مکلف ہیں۔ مٹی' دریا' پہاڑ' درخت' جھاڑی' پھول' پھل' چرند' پرند' حیوان ہر چیز مکلف ہے ذکر کرنے کی اور جو جب ذکر چھوڑتا ہے۔ اس کا وجود صفحہ ہستی سے مٹ جاتا ہے۔ لیکن انسان اس سے زیادہ کا مکلف ہے۔ انسان مکلف ہے اللہ کی زمین پر عظمت الٰہی منوانے کا۔ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے چھڑا کر اللہ کی بندگی میں لانے کا۔ معاملات دنیا میں اللہ کی حکومت رائج کرنے کا۔ معیشت ہو' تعلیم ہو' کوئی شعبہ زندگی ہو اس میں اللہ کی حاکمیت رائج کرنے کا۔

نبی کریمؐ تشریف فرما تھے آپؐ نے ایک یہودی سے ادھار لیا تھا۔ وہ تقاضا کرنے کے لئے مسجد نبویؐ میں در آیا۔ بدتمیزی سے تقاضا کیا۔ بارگاہ عالی میں اس وقت اس کے واپس کرنے کے لئے کوئی چیز نہیں تھی۔ آپؐ خاموشی سے سن رہے تھے۔ صحابہ کرامؓ کو بہت دکھ ہوا۔ سیدنا فاروق اعظمؓ نے تلوار کے قبضے تک ہاتھ پہنچایا۔ حضورؐ نے دیکھ کر فرمایا! عمر اگر تم کرنا چاہتے ہو تو اسے تنبیہہ کرو کہ یہ تہذیب کی حد سے باہر نہ جائے لیکن اس کے ساتھ مجھے بھی کہو کہ میں نے اس کا قرض واپس کیوں نہیں کیا؟

اسلام کی یہ بات حکمرانوں کو' انسانوں کو' فرعونوں کو گوارا نہیں ہوتی۔ وہ اللہ کو الگ بٹھا کر اسے پوجنا چاہتے ہیں۔ ہندوؤں کی طرح بھگوان کو کسی الماری میں سجا کر پوجنا چاہتے ہیں لیکن اللہ کی زمین پر اللہ کے قانون کو نافذ کرنا نہیں چاہتے۔ ہم اپنے ملک کو جمہوریہ پاکستان کہتے ہیں۔ میری سمجھ میں تو یہ اصطلاح ابھی تک نہیں آئی کہ "اسلامی" اور "جمہوریہ" یہ دو اصطلاحیں کس طرح آپس میں جڑتی ہیں۔ چونکہ اسلام میں حاکمیت اعلیٰ اللہ کی ہے اور موجودہ سیاسی جمہوریت میں حاکمیت اعلیٰ اکثریت کی ہے تو اسلامی جمہوریہ کس طرح بن گئی جس میں اللہ کی حاکمیت بھی ہے اور لوگوں کی کثرت رائے کی حاکمیت بھی ہے۔ یہ اصطلاح بنیادی طور پر دھوکا ہے' فریب ہے۔ عام آدمی کو' مسلمان کو دھوکا دینے کے لئے جمہوریہ کے ساتھ اسلامی لگا دیا گیا۔ اسی طرح کی ایک اصطلاح اسلامی سوشلزم بنائی گئی تھی۔ سوشلزم ایک طرز فکر اور طرز حیات ہے جو کافرانہ ہے۔ تو اسلامی سوشلزم اس طرح ہے جیسے کہہ دیا جائے اسلامی کفر۔ اسی طرح اسلامی جمہوریہ بھی بنائی گئی تاکہ نام اسلام کا رہے اور جمہوریہ لگا کر من مانی اپنی کی جائے۔ آپ اس ملک کی حکومت کو مسلمانوں کی حکومت تو کہہ سکتے ہیں اسلامی حکومت نہیں کہہ سکتے۔ حکمران مجھ سے اچھے مسلمان ہو سکتے ہیں۔ ذاتی کردار میں ہم سے پارسا ہو سکتے ہیں لیکن اسلامی حکومت کا تصور تو یہ ہے کہ شاہ وگدا سب پہ اللہ کا قانون نافذ ہو۔

مغربی میڈیا بڑا عجیب وغریب ہے۔ اس نے لوگوں کو یہ تاثر دے رکھا ہے کہ وہ جو کچھ بیان کرتے ہیں سچ ہوتا ہے۔ حالانکہ اس سچ کو کہتے وہ اپنے انداز سے ہیں اور بڑا گھاؤ لگاتے ہیں اگلے دن اسلام زیر بحث تھا۔ انہوں نے ایک ہی جملہ کہا کہ اسلام سمجھتا ہے کہ سچائی یا حقیقت صرف اس کے پاس ہی ہے۔ کہ سچائی پر اسلام کی اجارہ داری ہے۔ گویا صرف اسلام کے پاس ہی سچائی ہے۔ دوسرے مذاہب کے لئے اتنی رعایت بھی نہیں کرتا کہ کچھ سچ ان کے پاس بھی ہے۔ اور اسلام نے سچ اور حقیقت پر اجارہ داری بنا رکھی ہے۔

اس کا تجزیہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ Monopoly یا اجارہ داری بدنام لفظ ہیں۔ ظلماً" زیادتی کرکے دوسروں کے حقوق غصب کر لینے کا نام اجارہ داری ہے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی Monopoly نہیں ہے بلکہ اسلام اول و آخر ہے ہی حق اور اسلام سے باہر حق کا کوئی تصور نہیں۔

Monopoly تو تب ہو کہ باہر کسی کے پاس حق ہے اور اسلام اسے چھین رہا ہے۔ اسلام سے باہر' محمد رسول اللہؐ کی تعلیمات سے باہر' قرآن وسنت سے باہر حق کا کوئی تصور ہی نہیں ہے۔ اور ہر مسلمان مکلف ہے اس بات کا کہ اپنی زندگی کی بہترین کوشش جس کام کے لئے کرے وہ اللہ کی حاکمیت کے لئے ہو۔ نفاذ اسلام کے لئے ہو۔

یہ جن تبلیغی دوروں پہ' مراقبات پہ' چلوں پہ' تسبیحات پہ' ہمیں ناز ہے یہ لیکر ہم کس کے مقابلے میں کھڑے ہونگے۔ وہاں تو فرش تا عرش ہر چیز ذاکر ہے۔ پھر ملائکہ کا ذکر ہے۔ انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہے۔ مقربین بارگاہ کا ذکر ہے۔ کہاں ایک سجدہ محمد رسول اللہؐ کا اور کہاں ساری کائنات کے قیامت تک کے سجدے۔ مقابلہ کیا جا سکتا ہے؟ یہ بھی اس کا احسان ہے کہ ابھی اتنی بات بنی ہوئی ہے کہ ہم سے سجدے کی توفیق واپس نہیں لی گئی۔ یہ جن لوگوں کو ہم دیکھتے ہیں کہ نماز نہیں پڑھتے' ان کی بات اتنی بگڑ جاتی ہے کہ نماز پڑھنے کی توفیق ان سے سلب ہو جاتی ہے۔ بات بگڑ جائے تو ذکر چھوٹ جاتا ہے۔ یادیں بھول جاتی ہیں۔ سجدے رہ جاتے ہیں۔ عبادت چھوٹ جاتی ہے۔ تو جن کو عبادت کی توفیق ارزاں ہے ان پر اللہ کا احسان ہے مگر نجات کے لئے صرف یہی کافی نہیں ہے۔ جس بات کا سوال ہونا ہے وہ یہ ہے کہ ہم نے باطل نظام کے سامنے اللہ کی حاکمیت اور اس کے دین کی حاکیت قائم کرنے کے لئے کیا' کیا۔ اس میں ہم نے فکری اعتبار سے کہاں تک سوچا۔ علمی کاوش کہاں تک کی۔ قلمی جدوجہد میں کتنا حصہ لیا۔ اپنے مال میں سے ہم نے کتنا خرچ کیا۔ اسلام نافذ ہو سکا یا نہیں۔ اس کا جواب ہمیں نہیں دینا لیکن یہ ثابت کرنا پڑے گا کہ ہم نے اپنی جان اس پر لڑا دی۔ اگر انسان اس سختی سے اس بات کا مکلف نہ ہوتا تو رحمتہ اللعالمین دو' دو زرہیں پہن کر میدان کارزار میں اترتے؟ اللہ کے حبیبؐ تو کفار کے دوزخ جانے سے دکھی ہوا کرتے تھے کہ میری بعثت کے بعد بھی یہ جہنم میں جائیں گے۔ کہ میں اللہ کی بارگاہ میں لے جانے کے لئے بیٹھا ہوں اور یہ بدبخت پھر جہنم میں گریں۔

روئے زمین پر ایک فرد اللہ کے نام سے آشنا نہیں تھا۔ صرف محمد رسول اللہؐ نے اللہ کا نام بتایا آپؐ سجدے' نمازیں' عبادات' تسبیحات پر نہیں رکے بلکہ آپؐ نے اپنی بہترین کوشش کر کے عملی طور پر اللہ کی حاکمیت کو نافذ فرمایا۔ اور یہی دین اسلام ہے۔

ہم بھی مکلف ہیں' اس بات کے نہیں کہ پیپلز پارٹی سے حکومت چھین لو۔ مسلم لیگ کو دے دو۔ اسلام آگیا۔ مسلم لیگ سے چھین لو۔ ہمیں دے دو۔ اسلام آگیا۔ جماعت اسلامی کو دے دو۔ اسلام آگیا۔ نہیں۔ اسلام اللہ کی حاکمیت کا نام ہے۔

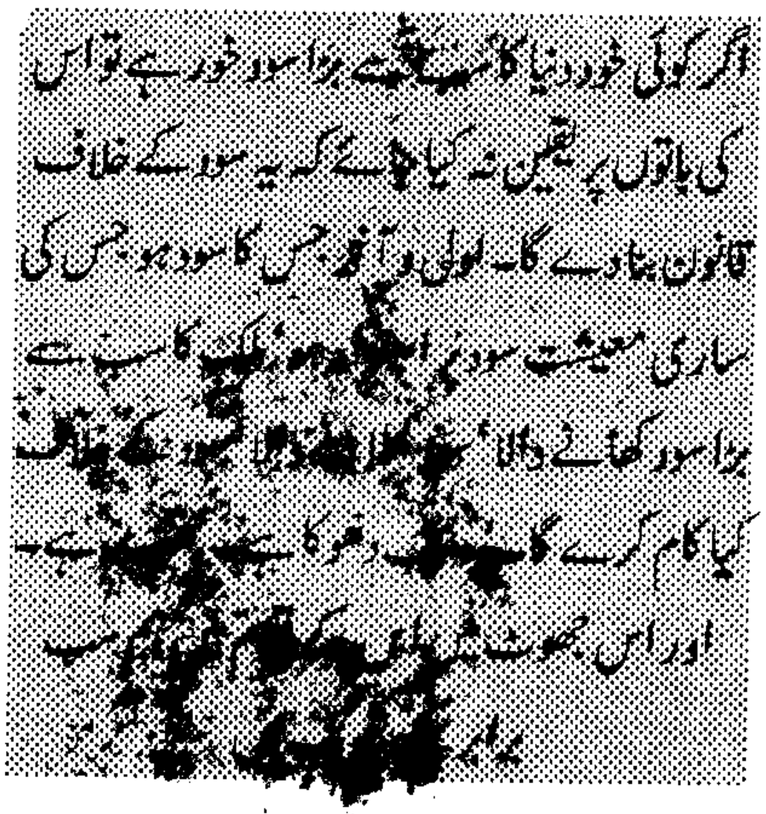

> اگر کوئی خود دنیا کا سب سے بڑا سود خور ہے تو اس کی باتوں پر یقین نہ کیا جائے کہ یہ سود کے خلاف قانون بنا دے گا۔ لولی و آخر جس کا سود ہو جس کی ساری معیشت سود پر [illegible] کا سب سے بڑا سود کھانے والا' [illegible] کیا کام کرے گا [illegible] اور اس جھوٹ [illegible]

اسلام قرآن وسنت کا نام ہے۔ ان اصولوں کا نام ہے جو اللہ اور اللہ کے رسولؐ نے تعلیم فرمائے ہیں۔ جب تک انہیں حاکمانہ طور پر مسلط نہ کیا جائے تب تک نہ اسلامی حکومت بنے' نہ ہمارا اسلام مکمل ہے۔ میں نے پہلے بھی عرض کیا تھا کہ جب انگریز نے برصغیر میں وارد ہونے کے بعد اسلامی احکام ونظام کی بساط لپیٹ کر اپنے طریقے وضابطے اور قوانین نافذ کئے' اس وقت علماء نے برصغیر کو دارالحرب قرار دے دیا۔ جس طرح جیل میں پابندی اور رکاوٹیں ہوتی ہیں۔ جہاں بندے کی آزادی سلب ہو جاتی ہے وہی حالات دارالحرب کے ہوتے ہیں کہ دارالحرب پر غیر اسلامی طاقتوں کا کنٹرول ہوتا ہے۔ دارالحرب میں جمعہ نہیں ہوتا۔ ظہر ادا کی جاتی ہے۔ آج پاکستان میں سیاست سے لیکر عدالت تک اور معیشت سے لیکر تعلیم و تعلم تک سارے وہی ضابطے ہیں جو انگریزی عہد کے تھے اور یہ بدستور دارالحرب ہے۔ جن وجوہات کے باعث اسے اس وقت دارالحرب قرار دیا گیا تھا وہ شرائط تو ابھی نہیں آج بھی موجود ہیں۔ جب شرط موجود ہے تو مشروط کیسے ختم ہو گیا۔ شرعی اعتبار سے ہمارا ملک دارالحرب ہے اور عملاً" ہم سب کافرانہ نظام کے قیدی ہیں۔ ہماری معیشت' تعلیم' سیاسیات' عدالت' معاشرت اس کافرانہ نظام کے تابع ہے جو برصغیر میں انگریز نے دیا تھا۔ وہی پینل کوڈ ہندوستان میں وہی پینل کوڈ پاکستان میں۔ وہی انگریز کا چھوڑا ہوا نظام عدالت میں۔

اب اگر ہم اپنے ملک کو دارالحرب سے نکال کر دارالامن نہ بنا سکے تو تف ہے ہماری زندگی پر اور مشکوک ہو جاتی ہے ہماری نجات اخروی۔ مجھے تو یہ ڈر رہتا ہے کہ یہ نمازیں یہ سجدے الٹی مصیبت نہ بن جائیں۔ عبادات کیا ہیں؟ مومن کیلئے عبادات عمل میں اترنے کی تربیت ہیں۔ عبادات سے قرب الٰہی حاصل ہوتا ہے۔ اللہ کی محبت حاصل ہوتی ہے اللہ کی عظمت دل پر آشکار ہوتی ہے اور پھر میدان میں اسے نافذ کرنے کو جی چاہتا ہے۔ محبت الٰہی کا تقاضا ہے کہ بندہ عظمت الٰہی کے لئے سرمیدان اعلان کرے۔ پکار پکار کر کہہ سکے کہ یہاں حاکمیت اللہ کی ہوگی۔ اللہ کے سوا کسی کی نہیں ہوگی۔

بعض دفعہ دوست لکھتے ہیں میں بیان نہیں کر سکتا۔ بتا نہیں سکتا۔ دوسروں کو سمجھا نہیں سکتا۔ میں انہیں بتاتا ہوں کہ جب برتن بھر جاتا ہے تو از خود بہنا شروع کر دیتا ہے۔ بھرے ہوئے برتن کو الٹانے کی ضرورت نہیں پڑتی از خود چھلکنے لگتا ہے اور اگر وہ ادھورا ہو الٹاتے رہو۔ مزے سے نہیں بہتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ جو بیان نہیں کر سکتے ان کی اپنی تسلی نہیں ہوئی ہوتی۔ جب اپنی تسلی ہو جائے تو بتانے کے لئے کسی انداز بیان کی ضرورت نہیں ہوتی۔ آپ نے کسی دیوانے کو کوئی طرز بناتے دیکھا ہے۔ کسی پاگل کو کسی ضابطے کا پابند دیکھا ہے۔ بھر جانے والی

جھیلوں نے کبھی دریاؤں کے راستے ڈھونڈے ہیں۔ جب بہتی ہیں تو راستہ ڈھونڈنا نہیں پڑتا۔ راستے بنتے چلے جاتے ہیں۔ اپنا سینہ بھر جائے۔ اپنا دل یقین سے پر ہو جائے۔ خود جب اعتماد ہو جائے کہ میں حق پر ہوں تو کسی کی تنقید کا ڈر نہیں رہتا خود بخود اس کی زبان پہ جاری ہو جاتا ہے۔ ہمیں چونکہ تسلی نہیں ہوتی کبھی خود کو قائل کر لیا دوسرے لمحے بد اندیشی نے گھیر لیا۔ اگلے لمحے پھر کھڑے ہو گئے۔ پھر وہموں نے گھیر لیا میں صحیح بھی ہوں یا نہیں۔ جب تک کوئی اپنے آپ کو فتح نہیں کر لیتا دوسروں کو فتح کرنے کے خواب نہ دیکھا کرے۔ اگر وہ خود دنیا کا سب سے بڑا سود خور ہے اس کی باتوں پر یقین نہ کیا جائے کہ یہ سود کے خلاف قانون بنا دے گا۔ اول آخر جس کا سود ہو اس کی ساری معیشت سود پر استوار ہو۔ ملک کا سب سے بڑا سود کھانے والا' سود کھلانے والا' سود کے خلاف کیا کام کرے گا۔ یہ سب دھوکا ہے۔ جھوٹ ہے۔ اور اس جھوٹ میں' اس کے قیام میں ہم سب برابر کے شریک ہیں۔ اس ہم میں' میں بے نمازیوں کو شمار نہیں کر رہا۔ میرا روئے سخن ان کی طرف ہے جن کو اپنی پارسائی پر ناز ہے۔ میں ان لوگوں سے مخاطب ہوں جنہیں اپنی تقریروں پہ ناز ہے۔ تسبیحات و تبلیغ پر فخر ہے۔ جنھوں نے عبادات کے بدلے حوریں گن گن کر جمع کر رکھی ہیں۔ میں ان سے مخاطب ہوں۔ یہ تو وہاں جا کر اندازہ ہو گا کہ حوریں ملتی ہیں یا حورے پڑتے ہیں۔

ہم مکلف اس بات کے ہیں کہ اللہ کی زمین پر اللہ کی حاکیت قائم ہو۔ ظلم مٹایا جائے۔ اور ظلم ہے کیا؟ ہر وہ فیصلہ جو شریعت محمدیؐ کی حدود سے باہر ہے وہ ظالمانہ ہے اسلام کے باہر عدل کا کوئی تصور نہیں۔ اور حق و باطل کبھی اکٹھے نہیں ہو سکتے لہٰذا بڑی سادہ سی بات ہے کہ غیر اسلامی حکومت ظلم ہے۔ غیر اسلامی معیشت ظلم ہے۔ غیر اسلامی عدالت ظلم ہے اور ہر غیر اسلامی طریقہ ظلم ہے۔ وہ مسلم لیگ کرے ظلم ہے۔ پیپلز پارٹی کرے ظلم ہے۔ جماعت اسلامی کرے ظلم ہے۔ میں کروں ظلم ہے۔ خلاف اسلام جو بھی کام کرتا ہے۔ وہ پیر ہے یا مرید ہے۔ حاکم ہے یا رعیت۔ خلاف اسلام عمل کرنے والا ظالم ہے۔ عدل صرف اسلام کے اندر ہے اور ہم مکلف ہیں قیام عدل کے۔

كنتم خيراً امته اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر و تومنون بالله

ترتیب دیکھ لیجئے۔ تم بہترین امت ہو۔ اس لئے کہ تمہیں نسل انسانی کی اصلاح کے لئے پیدا کیا۔ نیکی کا حکم کرتے ہو۔ (نیکی کی اپیل یا درخواست نہیں) نیکی کا حکم کرتے ہو۔ حکم کے لئے طاقت واقتدار قوت نافذہ چاہئے یعنی قوت نافذہ مسلمان کا حق ہے یہ اللہ کی حاکیت ہے تاکہ اس کے ذریعہ وہ اللہ کے احکام کو نافذ کرے اور برائی سے روکتے ہو۔ ایمان باللہ کو یہاں آخر میں بیان کیا۔ کہ یہ کر گذرو تو پھر مانا جائے گا کہ تم مسلمان ہو۔ آخرت کا فیصلہ اس معیار پر ہو گا ہمارے دعووں پر نہیں۔ اس کردار پر ہو گا جو قرآن سے معیار کے طور پر ارشاد فرما دیا اور یہ ثابت کرنا ہو گا کہ بارالہا! میں ایک حقیر بندہ تھا لیکن جو طاقت تو نے مجھے دی' جو علم تو نے مجھے دیا' جو قوت گویائی' انداز فکر اور ذہانت تو نے مجھے عطا فرمائی۔ میں نے وہ سب تیرے دین کو نافذ کرنے کے لئے صرف کر دی۔ دین نافذ ہو سکا یا نہیں یہ اس کی مرضی۔ اللہ کریم ہے وہ بخش دے تو اس کی مہربانی لیکن نجات کا جو طریقہ آپؐ نے بتایا اس کا مفہوم یہ ہے کہ کوئی شخص زندگی گزار کر دنیا سے رخصت ہو گیا مسلمان تھا اور زندگی بھر اسے خیال نہیں آیا کہ اے کاش میں اللہ کی راہ میں شہید ہو جاتا تو حضورؐ فرماتے ہیں فقدمات موته الجاهليه وہ

دعائے مغفرت

پچھلے دنوں سلسلہ عالیہ کے ساتھی میجر طارق ربانی کار کے حادثہ میں فوت ہو گئے ان کیلئے سب ساتھیوں سے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

وہ موت مرا جو لوگ میرے مبعوث ہونے سے پہلے مرا کرتے تھے۔ اس کے لئے میرا مبعوث ہونا نہ ہونا برابر ہے۔ میری بعثت سے وہ کچھ نہ لے سکا۔ اس ارشاد پاک کی روشنی میں اپنا جائزہ خود لیجئے۔ اپنا اندازہ کیجئے۔ اپنی بہترین قوت کو اللہ کے دین کے نفاذ کے لئے وقف کیجئے۔ علم ہو قوت گفتار ہو' کردار ہو'

سرمایہ ہو' جو نعمتیں جس' جس کو اللہ نے دی ہیں انہیں اللہ کی عظمت کو قائم کرنے کے لئے صرف کرو۔ تاکہ کم از کم وطن عزیز پر تو اللہ کی حکومت قائم ہو۔ جس وعدے پر اللہ سے یہ ملک لیا تھا کم از کم وہ وعدہ ہی اللہ سے وفا ہو جائے۔

[illegible]

ہے۔ مگر وہ قطرے قطرے مل کر طوفان بادو باراں کا سماں باندھ دیتے ہیں۔

اب وقت ہے اپنی اصل کو پلٹنے کا۔ ایک عزم کے ساتھ اٹھنے کا۔ آپس میں یکجہتی کا' اتحاد کا' اس منتشر منتشر ہجوم کو سیسہ پلائی صفوں میں تبدیل کرنے کا۔

كانهم بنيان مرصوص

ہاں ہم سب ایک ہیں۔ آپس میں بھائی بھائی ہیں۔ ہم پر ایک دوسرے کی جان مال اور آبرو حرام ہے۔ اور ہم سب ایک دوسرے کی جان' مال و آبرو کے محافظ ہیں۔ اپنے مسلمان بھائی کی عدم موجودگی میں اس کی خیر خواہی ہم پر واجب ہے اس کا راز حتی کہ مشورہ تک ہمارے پاس بطور امانت ہے۔ اس کی عیب جوئی اور غیبت ہم پر حرام ہے اس کی پردہ پوشی ہمارا فرض ہے۔

ہمارے دکھ سکھ سانجھے ہیں ہماری عزت ایک اور ہماری بیٹیاں سانجھی ہیں۔

ہم انہیں زندہ نہیں گاڑھتے' انہیں بیچتے نہیں ہیں۔ اور وہ ہمارے گھروں میں اللہ کی رحمت ہیں۔ آخرت میں قرب رسولؐ کا باعث ہیں۔ ہمارے آنگن کی زینت ہیں اور ہماری بیٹیاں ہیں۔

سرخ بتی اور سبز بتی

تحریر: [illegible]

بات کچھ یوں ہے کہ نوجوانی [illegible] دنوں میں زیادہ تر لوگ بڑے [illegible] کر [illegible] دکھانے کے جذبہ سے سرشار [illegible] ہیں اب میری عمر ایسی نہیں ہے [illegible] جوان کہہ سکوں اس لئے [illegible] پیارے دوستوں کی بات کر [illegible] گروپ میں آتے ہیں۔

لاہور سے ایک قاری ارشد علی [illegible] نے لکھا ہے کہ ان کے خیال میں پولیس [illegible] فرض 'مدد آپ کی" والا نعرہ درست ثابت ہونا چاہئے ان کی شکایت یہ ہے کہ پولیس اس نعرے پر عمل نہیں کرتی' الٹا اسے غلط ثابت کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتی ہے ۔ مثال دیتے ہوئے انہوں نے ایک واقعہ لکھا ہے جسے آپ کے سامنے پیش کرنے کی اجازت چاہوں گا۔

لاہور کے ایک علاقہ دھرم پورہ میں ایک ویگن اور ایک پرانے مزدا لوڈر کی ٹکر ہوگئی۔ اس حادثہ میں ویگن کا انجر پنجر ہل گیا جبکہ مزدا لوڈر کا ڈرائیور پر اسرار طور پر غائب ہو گیا۔ پولیس موقع پر خاصی دیر کے بعد پہنچی اور جب پہنچی تو یوں کہ اس کی گاڑی میں سے ایک "کارساز" مکینک بھی برآمد ہوا اس مکینک نے جھٹ پٹ ویگن کی بیٹری نکالی اور پولیس کی گاڑی میں فٹ کر دی۔ اس کے بعد ویگن کو تھانے پہنچا دیا گیا۔ خدا جانے تھانے میں حادثہ شدہ ویگن کا کیا حال ہوا ہو گا۔ قرین قیاس ہے کہ گزشتہ چند روز کے اندر صرف خالی کھوکھا رہ گیا ہو گا اور اندر کا سازوسامان غائب ہو چکا ہو گا۔ واللہ علم۔

کوئی بتلائے [illegible] بتلائیں کیا [illegible] جب بقول شاعر [illegible] جب میں گورنمنٹ کالج لاہور [illegible] فیض صاحب کی طرح [illegible] روز کالج کینٹین میں [illegible] بات پر بحث کر رہے [illegible] لاہور کی سڑکوں پر [illegible] ٹریفک کے اشاروں اور قوانین کی پابندی نہیں [illegible] یہ صورتحال ہم جیسے بہت سے نوجوان لوگوں [illegible] بڑی بری مثال تھی۔ البتہ ہم سب نے ایک دوسرے سے وعدہ کیا کہ ہم خود کو اچھا شہری اور اچھا راوین (جو گورنمنٹ کالج لاہور کے طلبہ کا مخصوص نام ہے) ثابت کریں گے ہم نے وعدہ کیا کہ اپنے کالج کے ماٹو Courage To Know پر عمل کریں گے اور خود قانون پر عمل کر کے دوسروں کیلئے مثال بنیں گے۔ ہم نے وعدہ کیا کہ خود کبھی ٹریفک کے قانون اور اشارے کی خلاف ورزی نہیں کریں گے چاہے دوسرے لوگ کچھ بھی کریں۔

بس جناب اس وعدے پر میں خود تو آج تک قائم ہوں نتیجہ کیا نکلا؟ ہوتا یوں ہے کہ میں خود ٹریفک کی سرخ بتی پر کھڑا ہوتا ہوں جبکہ دوسرے لوگ زوں کر کے نکل جاتے ہیں تب میں بھی بعینہ اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہوں جس کا سامنا میرے محترم قاری کو کرنا پڑا ہے قانون اور قانون پر عمل کرانے والے اداروں سے ہمیشہ ہم جیسے لوگوں کو یہی شکایت رہی ہے کہ جو لوگ قانون پر عمل کرنے کی کوشش کرتے ہیں 'ان کے لئے پابندیاں' ناکے وغیرہ ہر چیز موجود ہے جبکہ ایسے لوگ جو ٹریفک کی سرخ بتی کی پروا نہیں کرتے یا ناکے پر نہیں رکتے ان کے لئے کوئی روک ٹوک نہیں۔ آج کے حالات میں ہر وہ شخص جو کوئی اصول یا ماٹو یا وعدہ لے کر چلتا ہے 'میری طرح سرخ بتی پر کھڑا ہے جبکہ دوسرے بتی کراس کر کے آگے بلکہ بہت آگے اور دور بلکہ بہت دور نکل چکے ہیں۔ جو لوگ اصولوں پر عمل کر رہے ہیں وہ ساکت ہیں جنہوں نے ضابطے کو توڑنے کی رسم اپنا لی ہے 'وہ عیاشی کر رہے ہیں۔ بدقسمتی سے اس رسم میں قانون نافذ کرنے والے بھی شریک ہو چکے ہیں۔ جن لوگوں کا کام معاشرے میں قانون کی پاسداری کرنا تھا وہ خود قانون توڑنے والے بن جائیں تو وہی ہوتا ہے جو آج کل ہو رہا ہے۔

جہاں تک بات ہے لاہور میں دھرم پورہ پولیس کی مبینہ کارروائی کی' تو صاحب یہ تو ہوتا رہا ہے ۔اور ہوتا رہے گا تب تک ہوتا رہے گا جب تک اس فرسودہ نظام کو بدلنے کے لئے قرار واقعی اقدامات نہیں کئے جاتے۔ جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے 'حکومت اور حاکم اس بات سے مکمل طور پر آگاہ ہیں کہ لوگ بنیادی سسٹم میں تبدیلیوں کے خواہشمند ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ مستقبل قریب میں عام لوگوں کو چند اچھی خبریں سننے کو ملیں 'جن کا تعلق اس نظام میں بنیادی تبدیلیاں لانے سے ہو۔ سسٹم میں ایسی تبدیلی کا وقت بہت نزدیک آ رہا ہے اس لئے کہ جب حبس حد سے بڑھ جائے تو آندھی آیا کرتی ہے۔ گرمی کا زور زیادہ ہو جائے تو اس کا لازمی نتیجہ بارش کی شکل میں نکلتا ہے قومیں ظلم اور جبر سے کراہنے لگیں تو ظالموں اور جابروں کے لئے اوپر سے یوم حساب آیا کرتا ہے۔ یہی قانون قدرت ہے لہٰذا سرخ بتی پر رکنے والوں کی تعداد جتنی کم ہوتی چلی جائیگی 'اتنا ہی انقلاب اور مکمل

بقیہ نمبر ۵۵ پر

عہد حاضر میں نظام خلافت کا نفاذ

کے۔ ایم۔ اعظم (سابق اقتصادی مشیر اعلیٰ اقوام متحدہ

مجھے یہ جان گسل غم کھائے جا رہا ہے کہ مسلمان عالم اسلام کے آفاقی پیغام کو سمجھیں گے کب اور پھیلائیں گے کب؟ بقول محترم ڈاکٹر اسرار احمد " تمام اسلامی ممالک میں ابھی تک غلامی کے سائے باقی ہیں" یہ کیسے کیسے اور کس کس رنگ میں باقی ہیں میں خوب جانتا ہوں کیونکہ اپنی زندگی کے انیس سال میں نے مشرق وسطی میں گزارے ہیں۔ 1991ء میں یہ جان گسل غم ناسور بن کے جاں کے درپے ہوا اور صورت کچھ ایسی بنی کہ:۔

دل کے پھپھولے جل اٹھے سینے کے داغ سے
اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

اب 1998ء یہ غم میرا روگ جان بنا ہوا ہے کہ کہیں ایک بار پھر ہم نفاذ شریعت کے پرجوش نعروں سے پریشان ہو کر اسلام کی ایک اور مسخ شدہ صورت رائج نہ کر دیں اور اس طرح اللہ جل جلالہ کے غضب کو دعوت دیں۔ میرے اس غم سے ہم آہنگ میرا یہ ذاتی خوف بھی ہے کہ کہیں اب اس عمر آخر میں اپنی عاقبت خراب نہ کر بیٹھوں اور میرے مرشد کی یہ گارنٹی بھی رائیگاں جائے کہ کامیابی کی کوئی ضمانت نہیں دی جاتی مگر سرخ رو ضرور ہو گے۔

غلامی کے سائے تو ایک طرف ہم تو ابھی تک غلامی کی زنجیروں میں بری طرح جکڑے ہوئے ہیں۔ ہم اب تک غلامی کی فرسودہ روایات کی پرستش کرتے نظر آتے ہیں۔ ابھی تک ہماری افواج کے جھنڈوں پر جو جنگی اعزازات نقش ہیں ان کو پڑھ کر کسی بھی غیرت مند مسلمان کا سر شرم سے جھک جائے گا۔ حضرت قائد اعظم جب میرن شاہ میں ایک رجمنٹ کے معائنہ پر تشریف لے گئے تو ان کی نظر ٹیپو سلطان شہید کے ان نوادرات پر پڑی جو سرنگاپٹم میں اس پلٹن کے ہاتھ لگے تھے۔ جب حضرت قائد اعظم کے استفسار پر بٹالین کمانڈر نے بتایا کہ یہ پلٹن کی تاریخ ہے تو حضرت قائداعظم نے فرمایا کہ میں اس تاریخ سے شرمندہ ہوں اور وہ بقیہ تقریبات میں حصہ لئے بغیر وہاں سے تشریف لے گئے۔ ذرا سوچئے کہ اس بری طرح محکوم تو ہم کبھی بھی نہ تھے کہ جتنا جنوبی افریقہ تھا مگر پھر ہم میں کیا کمی ہے کہ ہم آزادی کے پچاس سال بعد بھی آزاد نہ ہو سکے جبکہ جنوبی افریقہ آزادی ملتے ہی آزاد ہو گیا۔ وہاں سچائی کمیشن نے کن کن سچائیوں کو عیاں نہیں کیا اور ایک ہم ہیں کہ حمود الرحمن کمیشن کی رپورٹ کو شائع کرنے کی سکت نہیں رکھتے اور تو اور وہاں ANC کے گوریلا ونگ کے انچارج کو جنوبی افریقہ کی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا گیا ہے۔ ہمارے لئے تو ایسا سوچنا بھی ممکن نہیں ہے۔

المیہ یہ نہیں کہ ہم پچاس سالوں میں اسلام رائج نہ کر سکے المیہ تو یہ ہے کہ ہم پچاس سالوں میں آزاد بھی نہ ہو سکے۔ یقیناً" یہ امہ کا ایک بہت بڑا المیہ ہے کہ اتنی عظیم الشاں روحانی قرآنی ہدایت اور اللہ کے آخری نبی کی سنت نصیب ہونے کے باوجود یہ صدیوں میں ایسا متفق نظریہ قانون نہ پیش کر سکے کہ جس کے ذریعے یہ روحانی ہدایت لوگوں کی عملی زندگیوں کیلئے مشعل راہ بن جائے۔ کیا یہ مقام شرم نہیں کہ آج جبکہ اس دنیا کے پچاس سے زیادہ ممالک میں مسلمان حکمران ہیں اور ان کی تعداد ایک ارب سے بھی زیادہ ہے تو ایک بھی مسلمان ملک ایسا نہ ہو جس میں نظام اسلام پوری طرح رائج ہو اور وہ دنیا کو یہ بتا سکے کہ اسلام اس طرح اقتصادی اور معاشرتی مسائل، جو کہ آج کے انسان کو درپیش ہیں، حل کرتا ہے۔

پاکستان میں اسلامی نظام کے راستے میں ایک بڑی رکاوٹ خود ہمارے علماء اور مذہبی اکابرین ہیں جو فکری انتشار کے مختلف نمونے پیش کرتے ہیں۔ ہمارے مذہبی اکابرین اور علماء کا بڑا مسئلہ ان کا انداز کہن ہے، جس کے تحت وہ چھوٹے چھوٹے مسائل کی مین میخ نکالنے میں مصروف رہتے ہیں اور ان کی آراء اتنی غیر فیصلہ کن متضاد اور نزاعی ہوتی ہے کہ کسی کارگر پالیسی سازی کیلئے کار آمد ثابت نہیں ہوتیں۔ ہمارے علماء اور رفقاء کی زیادہ تر توجہ شکوک رفع کرنے کی بجائے شکوک پیدا کرنے پر مرکوز رہی ہے، جس کے نتیجے میں اس موضوع پر غیر فیصلہ کن اور نزاعی لٹریچر کی کتابوں کے انبار لگتے چلے گئے۔ ان حضرات کو اس امر کا احساس ہی نہیں کہ ان کا بے لچک نزاعی رویہ اور غیر ضروری تفصیلات پر بے جا اصرار ہمارے طبقاتی حکمرانوں کو شریعت کا نفاذ نہ کرنے کا ایک معقول بہانہ فراہم کرتا رہا ہے۔ ہمارے اس وطن عزیز میں گزشتہ پچاس سالوں میں جب کبھی نظام اسلام کے نفاذ کی تحریک چلی تو طبقاتی حکمرانوں نے علمی وفقہی اختلافات کو بہانہ بنا کر اسے نافذ نہ ہونے دیا۔

یہ بات کہ مسلمان قانون اسلام کو اپنا کر اپنی ذاتی اور معاشرتی زندگی کے مسائل کیوں حل نہیں کر پا رہے کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ قانون کی صدیوں پر محیط قیاس و خیال اور قانونی تفریق نے عام مسلمانوں کی نظر سے اوجھل کر دیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ مسلمانوں نے صدیوں سے سوچنا چھوڑ دیا ہے اور ان کا سارے کا سارا انحصار عہد قدیم کے مسلمان مفکروں کی سوچ پر رہا ہے۔ اس طرح اسلامی قانون دور حاضر کے مسائل کے حل کیلئے اپنی عملی مناسبت کھو بیٹھا۔ ایک ہزار سال پر محیط علم الکلام اور فقہ نے اسلام کی اصل سادگی کو سراب بنا کر رکھ دیا ہے۔ دور

حاضر میں بھی نفاذ شریعت کا مسئلہ ذہنی الجھنوں کا شکار ہے' جس کا اندازہ اسلامی سیاسی جماعتوں کے اکابرین کے اختلافی رویوں سے لگایا جاسکتا ہے۔ یہ بات تو قطعی طور پر واضح ہے کہ جب تک شریعت کے خدوخال' مواد اور مقاصد کے متعلق رائج پریشان خیالات ذہنی الجھنیں اور پیچیدگیاں رفع نہ کی جائیں گی اور اسلامی قانون کو اس کی اصل صراحت اور سادگی کی طرف واپس لوٹایا نہ جائے گا' اس وقت تک مسلمان نزاعی آراء اور متنازع نظریات کے گورکھ دھندوں میں گم رہیں گے اور انہیں نہ تو یہ پتہ ہوگا کہ اسلامی قانون حقیقتاً" ہے کیا اور نہ ہی یہ کہ یہ اپنے پیروکاروں سے چاہتا کیا ہے؟

کیا ہم فقہ عالمگیری کے فی الفور رائج کرنے کے نعرے بلند کرنے والوں سے یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ ہندوستان میں اپنے آٹھ سوسالہ دور حکومت میں مسلمان بادشاہوں نے سود پر کیوں کوئی قدغن عائد نہ کی اور اس طرح 1930ء میں ہمیں

Indian Banking Enquiry Committe سے یہ طعنہ سننا پڑا کہ قدیم ہند میں ریاست کا یہ فرض تھا کہ سود کے متعلق قوانین بنائے لیکن باوجود اس کے کہ اسلام میں سود لینا حرام ہے اسلامی حکومت نے سود پر کوئی پابندیاں عائد نہیں کیں۔

ایک شے جس نے پچھلے سوڈیڑھ سو سال سے ہمارے دینی اکابرین کے ذہنوں کو مسحور کیا ہوا ہے وہ ہے غلبہ اسلام کا مسئلہ۔ جہاں ایک قوم نے آٹھ سوسال حکومت کی ہو اس میں وہاں دوبارہ غالب ہونے کی خواہش ایک قدرتی امر ہے مگر زمینی حقائق تبدیل ہو چکے ہیں۔ دراصل ہمارے زعما یورپی ترقی و تسلط سے بہت زیادہ مرعوب تھے بالخصوص Tracy Destut De کی اصطلاحی آئیڈیالوجی Ideology سے جس کے تحت افراد کی بہت تھوڑی تعداد نے تھوڑے ہی عرصے میں پورے ملکوں پر اپنا تسلط قائم کر لیا۔ شاید زیادہ لوگ اس بات سے آشنا نہ ہوں کہ مولانا سید ابوالاعلی مودودی کو فاشزم کی راہ دکھانے والے خیری برادران تھے۔ حضرت مولانا نے دین کو ریاست کے مترادف قرار دیتے ہوئے یہاں تک بھی کہہ دیا کہ اسلامی ریاست فاشٹ اور کمیونسٹ حکومتوں سے مناسبت رکھتی ہے (اسلام کا نظریہ سیاسی) حضرت مولانا نے پاکستان کی مخالفت بھی اس لئے کی تھی کیونکہ ان کے خیال میں ایک مضبوط عقیدہ رکھنے والی منظم پارٹی محض اپنے ایمان اور ڈسپلن کی طاقت کے زور پر برسراقتدار آسکتی ہے خواہ اس کے ارکان کی تعداد ایک فی ہزار ہو۔ ان کا خیال تھا جب مسلمان پورے ہندوستان پر حکومت کر سکتے ہیں تو چھوٹے سے پاکستان پر اکتفا کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ہمارے ممدوح ڈاکٹر اسرار احمد فقط دو ہزار فدائین کی تلاش میں بیس سال سے سرگرداں ہیں۔ ہمارے دینی اکابرین اپنی نظریاتی عینیت پسندی (Ideological Idealism) کے نشے میں زمینی حقائق سے روگردانی کر رہے ہیں۔ پاکستان کے مسلمان عوام میں بھی یہ غیر حقیقی تصور عام ہے کہ ایک مسلمان دس ہندوں پر حاوی ہے۔ ایسے ہی رجحانات کے تدارک کیلئے ایک بار علامہ سلیمان ندوی نے فرمایا تھا کہ اگر بابر بننا ہے تو ہندوکش سے ٹکرانا سیکھو۔

ہندوستان کے لیڈروں نے تو یہ جاننے کے لئے کہ مسلمان زوال پذیر کیسے ہوتا ہے اپنے ریسرچ سکالرز کی ایک ٹیم سپین روانہ کر دی تھی مگر ہم نے خود اپنے زوال کی وجوہات کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ پروفیسر سید محمد اکرم اپنے طور پر اس نہایت ہی اہم موضوع پر ایک روشن خیال تحقیق کر رہے ہیں۔ آپ کے خیال میں جو ہندو مسلم معاشرہ صلح و آشتی اور محبت و مروت کی اساس پر مسلمان حکمرانوں نے قائم کیا تھا' اس کی دو بنیادیں تھیں' ایک مسلمان فاتحین کی عسکری قوت اور دوسری ان کی اخلاقی قوت (مجلّہ اقبال اپریل 1998ء) دوسرے لفظوں میں مسلمانوں کے عروج کا باعث ان کا اخلاق' رواداری اور موت سے نہ ڈرنا تھا اور ان کے زوال کا باعث ان کا اخلاقی انحطاط اور وہن یعنی دنیا سے محبت اور موت کا ڈر تھا۔

اسلام میں اخلاق اور رواداری پر جتنا زور دیا گیا ہے شاید ہی دنیا کے کسی اور مذہب میں دیا گیا ہو۔ نبی آخر زماں رسول اکرم ﷺ کو یہاں تک بتا دیا گیا کہ لوگوں کو ہدایت دینا تمہاری ذمے داری نہیں ہے کیونکہ ہدایت تو اللہ ہی جسے چاہے دیتا ہے (2:272) اور اگر وہ تم سے منہ پھیرلیں تو تمہارا کام تو صرف واضح طور پر بتانا ہی ہے (16:82) اور ہم نے تمہیں صرف خوشخبری سنانے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے (17:105;25:56) رسول اللہ ﷺ کے ذمے صرف اتنا ہی کام ہے کہ وہ اللہ کے پیغام کو لوگوں تک صحیح صحیح پہنچا دیں (25:54;29:18) ہم نے تمہیں ان کا محافظ نہیں بنایا اور نہ ہی تم ان کے اعمال کے ذمہ دار ہو (6:107) ان آیات کی روشنی میں سورۃ توبہ کی آیات نمبر33 "لیظھرہ علی دین کلہ" کا مطلب تعلیم و تبلیغ ہی ہو سکتا ہے نہ کہ غلبہ بالجبر۔ اسلام میں جنگ کفر سے نہیں ظلم اور جارحیت سے ہے۔ سوائے امام شافعی مولانا سید ابوالاعلی مودودی اور محترم ڈاکٹر اسرار احمد کے' سب اماموں اور علماء الاکبر کی رائے یہ ہے کہ مسلمانوں کے غیر مسلمانوں کے ساتھ تعلقات جنگ کی بجائے امن پر مبنی ہوں۔ اس زمانے میں ہم اپنے غیر مسلم ہم وطنوں کو دوسرے درجہ کے شہری کیسے بنائیں گے؟

اب آتے ہیں نظام خلافت کے نفاذ کے مسئلہ کی طرف۔ دراصل مسلمانوں کو جس چیز کو قائم کرنے کے لئے جدوجہد کرنی چاہئے وہ تو ہے دین اسلام۔ خلافت تو تجربہ تھا اسلامی ادارے قائم کرنے کا۔ ہمارے قدامت پسند مقلد عناصر کے اس اصرار کی کہ جدید اسلامی ریاست تفصیلا خلافت راشدہ کے عین مطابق ہونی چاہئے' شریعت توثیق نہیں کرتی۔ شریعت اسلامی ریاست کا کوئی واضح نمونہ بھی متعین نہیں کرتی اور نہ یہ کوئی اسلامی ریاست کے آئین کا قطعی نقشہ پیش کرتی ہے۔ انسانی ماحول کے تغیر و تبدیلی کو مدنظر رکھتے ہوئے' شریعت صرف چند ایک کشادہ اصول مہیا کرتی ہے۔ اور اصل اسلامی ریاست ایک قسم کی نہیں بلکہ کئی اقسام کی ہو سکتی ہے اور یہ ہر دور کے مسلمانوں کی صوابدید پر چھوڑ دیا گیا ہے کہ وہ اپنی ضروریات اور شریعت کے غیر مبہم اجتماعی اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے' اپنی ریاست کے

خدوخال متعین کرلیں۔ ہمیں یہ بھی جان لینا چاہئے کہ شریعت کے علاوہ مگر اس کی روح کے مطابق خلفا راشدین نے کئی ایک قانون نافذ کئے تھے تاکہ وہ معاشرہ کی بڑھتی ہوئی ضرورتوں کا احاطہ کر سکیں۔ مگر ان عظیم شخصیات نے بھی کبھی نہ سوچا تھا کہ ان کے یہ قانون ہر زمانے کے لئے موزوں سمجھیں جائیں گے۔ بہرحال یہ کہتے ہوئے' یہ کہنا بھی ضروری ہے کہ ان عظیم شخصیات کے ذاتی کردار اور اخلاق ہمارے لئے ہمیشہ کے لئے مشعل راہ ہیں۔ فی الحقیقت یہی وہ نقطہ ہے جو قدامت پسند حضرات کی نظروں سے اوجھل ہے کہ ہمیں خلافت راشدہ کی ظاہری اشکال کی بجائے اس کے کردار اور اخلاق کو اپنانا ہوگا۔

یقیناً" یہ عقیدہ بھی صحیح نہیں کہ خلافت راشدہ میں ہی تمام اسلامی اہداف پورے ہو گئے تھے۔ بے شک رحمت العالمین نبی آخر زماں ﷺ کا دین مکمل اور کامل شکل میں نازل ہو چکا ہے' مگر رسول عالی مرتبت ﷺ کا مشن آخری وقت تک جاری وساری رہے گا۔ اسی حقیقت کے اتباع میں' اسلام ایک دائمی ترقی کی پکار ہے' نہ کہ اندھی تقلید اور ابدی نقل کی۔ خلافت راشدہ' اسلامی آئین حکومت اور فن حکمرانی کی ایک شاندار مثال تھی' جس سے نہ ہم سبقت لے جا سکے اور نہ ہی اسے جاری رکھ سکے۔ مگر تھی تو یہ فقط ایک ابتدا ہی۔ ہمیں یہ جان لینا چاہئے کہ خلافت راشدہ کے اداروں کی ظاہری نقل' پارسائی نہیں' بلکہ خلفاء راشدین کی تخلیقی جدوجہد سے بے وفائی ہوگی۔ اگر ہم درحقیقت خلفاء راشدین کی تقلید کرنا چاہتے ہیں' تو ہمیں جوش وخروش سے ان کے تحقیقی وجدان کو اپناتے ہوئے ان کے ادھورے کام کو پایہ تکمیل تک پہنچانا چاہئے اور یاد رکھنا چاہئے کہ ہمارا ہدف فقط اسلامی ریاست کا قیام نہیں' بلکہ اس کے ذریعہ اسلامی عینی مقاصد۔ سچائی' انصاف' مساوات اور انسانی فلاح کو حاصل کرنا ہے۔ بے شک ہمیں ابھی دنیا پر یہ ثابت کرنا ہے کہ ہم وہ بہترین امت ہیں' جسے انسانوں کی ہدایت واصلاح کے لئے دنیا میں لایا گیا ہے (القرآن 3:110)۔ پس ہمارا عقیدہ کٹر لفظی بنیاد پرستی یا بے لچک تقلید کا نہیں بلکہ تخلیقی جدوجہد کا ہے۔

محترم ڈاکٹر صاحب جماعت اسلامی سے اس لئے ہی کنارہ کش ہوئے تھے کہ وہ ایک اصولی اسلامی انقلابی جماعت کی بجائے ایک اسلام پسند قومی سیاسی جماعت بن گئی تھی۔ جماعت نے انتخابی سیاست میں حصہ لے کر اسلام کو قومی مسئلہ کی بجائے ایک سیاسی مسئلہ بنا دیا تھا اور وہ اپنے اصل کام تعلیم اور انسان سے ہٹ کر اپنی تخلیقی توانائیوں کو ضائع کر رہی تھی۔

محترم ڈاکٹر صاحب جدید سائینسز کے آدمی ہیں۔ اقبال اور ڈاکٹر محمد رفیع الدین جیسے روشن خیال مفکران کے ممدوح ہیں۔ موخرالذکر کی یاد میں ایک ماہانہ حکمت قرآن بھی نکالتے ہیں۔ کئی ایک بڑے پائے کے تعلیمی' علمی اور تحقیقی کام کر رہے ہیں۔ میری ان سے یہی التجا ہے کہ ایسے کاموں میں اپنی تخلیقی توانائیاں صرف کرتے ہوئے ایک علمی' فکری اور ذہنی انقلاب برپا کر دیں اور خلافتی سیاست کا پیچھا چھوڑ دیں۔ ویسے بھی کہتے ہیں خلافت پر حق صرف قریش کا ہے۔ انہیں اس بات کا بھی خیال رکھنا ہو گا کہ کہیں معاشرہ کو جہان نو کی بجائے خلفاء راشدین کے سنہری عہد میں واپس لے جاتے ہوئے' خود لفظی متن پرستی کے گڑھے میں نہ گر جائیں یا مولانا سید ابوالاعلی مودودی کی طرح کہ ان کے الفاظ تو دور جدید کے ہوں مگر فکر قرون وسطی کا۔

آخری بات یہ ہے کہ ہم ہندی الاصل لوگ بت پرستی کے چنگل سے ابھی تک پوری طرح آزاد نہیں ہوئے جیسا کہ حضرت علامہ اقبال نے کہا تھا

تیرا دل تو ہے صنم آشنا
تجھے کیا ملے گا نماز میں

ہمارے دینی راہنماؤں نے اسلام کو بھی صنم کبیر بنا دیا ہے اور اس کے لئے برہمنوں کی طرح ہمہ وقت مال وخون کی قربانی مانگتے رہتے ہیں حالانکہ ہمارا رب العالمین تو یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کے راستے پر چل کر اپنی زندگیاں آسودگی اور خوشیوں سے بھرلیں۔

بقیہ :- امام

ہے جس کے ذمے اسے ان خصوصیات سے ہم کنار کرنا تھا یہ صحابی کس نے بنایا یہ نبی کریمؐ کا فرض تھا تو گویا صحابی کے فضائل کا انکار صحابی کے کمالات کا انکار نہیں ہے بلکہ جس ہستی نے اس میں یہ کمالات پیدا کرنے تھے اس کے کمالات پیدا کرنے کا انکار ہے۔ دوسری طرف جب امام کی بات آتی ہے تو خداوند عالم فرماتے ہیں کہ فرعون اور آل فرعون اور اس کے لشکریوں کو میں نے کفر کا اور دوزخ کی طرف دعوت دینے کا امام بنا دیا یعنی لفظ امام کے ساتھ کوئی ایسی قید نہیں لگی ہوئی آپ نیکوں کے پیشوا کو بھی امام کہہ سکتے ہیں اور بدکاروں کے پیشواؤں کو بھی امام کہہ سکتے ہیں فاخذنہ وجنودہ فنبذنھم فی الیم ہم نے فرعون کو پکڑا ان کے اہل لشکر کو پکڑا غرق دریا کر دیا۔ فانظر کیف کان عاقبتہ الظالمین اے مخاطب تو دیکھ ظلم کا انجام کیا ہوتا ہے۔ ان کی شوکت غرق دریا ہوئی ائمتہ یدعون الی النار ہمیشہ کے لئے انہیں دوزخ کی طرف دعوت دینے والا امام بنا دیا۔

تو گویا لفظ امام کوئی شرعی اصطلاح ہے ہی نہیں بلکہ قرآن نے امام کو بطور لیڈر استعمال کیا ہے اگر کفار کا لیڈر بن جائے تو کفر کا کافر ہے اگر نیکوں کا لیڈر بن جائے تو نیکوں کا امام ہے۔ اسی ایک لفظ نے اس فرقہ باطلہ کی بنیاد ہلا کر رکھ دی یعنی ساری بنیاد ہی تعمیر ہوتی ہے امامت پر اور امامت قرآن کی رو سے کوئی اصطلاح شرعی ہے ہی نہیں اس میں صرف لیڈر شپ ہے۔ بروں کی لیڈر شپ ہو تو بروں کا امام ہو گا اور اگر نیکوں کی لیڈر شپ ہو تو نیکوں کا امام ہوگا۔ اور اس امامت میں کہہ دیا ..... فی ھذہ الدنیا لعنتہ ..... المقبوحین اس دنیا میں بھی ان کے حصے میں لعنت اور نفرت ہے اور آخرت میں بھی ان کے لئے خرابی ہے۔

سمجھوتے

امیر محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ فلا تطع الکفرین وجاھدھم بہ جھادا کبیرا"

حضور نبی کریمؐ جو ساری کائنات کے لئے رحمت مجسم ہیں ان کی ذات بابرکات کو ارشاد فرمایا جا رہا ہے کہ کافروں کی اطاعت مت کیجئے فلا تطع الکفرین کسی بھی حال میں کافروں کی بات نہیں مانی جائے گی اور اگر بات ان کی نہیں مانی جائے گی تو پھر دوسری صورت کیا ہوگی وجاھد ھم بہ جھادا" کبیرا" ان سے پورے زور وشور سے پوری شدومد سے اپنی انتہائی قوت استعمال کرتے ہوئے ان سے جہاد کیجئے کفر اور اسلام کا صرف اور صرف یہی ایک رشتہ ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ ہمارے آج کے محققین ان معاہدوں کو درمیان میں لے آتے ہیں جو کبھی تو نبی علیہ السلام نے مشرکین مکہ کے ساتھ کئے یا بعض معاہدے دوسری کافر طاقتوں سے یا یہود سے کچھ معاہدے ہوئے لیکن اصولی بات یہ یاد رکھ لیجئے کہ یہ سارے معاہدے مسلمان ریاست کے اور ان کے درمیان وقتی طور پر جنگ کو موخر کرنے کے لئے تھے بعض شرائط کی بنیاد پر۔ کسی معاہدے میں یہ بات شامل نہیں تھی کہ مسلمانوں نے کافروں کی حکومت تسلیم کرلی یا کافروں کا قانون مسلمانوں پر لاگو ہو جائے گا یا مسلمانوں کی معیشت میں کافروں کا انداز داخل ہو جائے گا یا اس طرح کا کوئی معاہدہ نہیں تھا۔ وہ معاہدے وقت کی ضرورت کے مطابق اس طرح سے تھے کہ کافر اگر اپنی ریاست اپنی حدود کے اندر کافر رہیں گے تو مسلمان بھی اپنی ریاست میں مسلمان رہیں گے۔ ان کے ریاستی امور اسلام کے مطابق انجام پائیں گے ان کی معیشت اسلام کے مطابق ہوگی ان کا قانون ان کا انصاف ان کی سیاست پر کام اسلام کے مطابق ہو گا ہاں جہاں کافر ریاست اور مسلمان ریاست کا ٹکراؤ آتا ہے تو وہاں جس حد تک ممکن ہو سکے قیام امن کی راہ اپنائی جائے بشرطیکہ کافر زیادتی نہ کریں لیکن کوئی ایک معاہدہ آپ ایسا ثابت نہیں کر سکتے جو کافروں نے توڑا نہ ہو اور جس کے نتیجے میں پھر جہاد نہ کرنا پڑا ہو۔ اگر حدیبیہ میں ہوا تو مکہ والوں نے توڑا' یہود مدینہ کے ساتھ جو معاہدے ہوئے وہ یہودیوں نے توڑے' جس کی انہیں سزا ملی قتل کئے گئے اور پھر عرب سے نکال دیئے گئے مدینہ منورہ سے نکال دیئے گئے تو جو معاہدے نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے حالات کی ضرورت کے مطابق تصادم کو موخر کرنے کے لئے فرمائے تھے وہ بھی کافروں نے توڑے اور ان میں سے کوئی بھی انہوں نے سلامت رہنے نہیں دیا۔

رہ گیا ہمارا معاملہ جس پہ ہم ان معاہدوں کو لیکر اس کے جواز کا پرچار کرتے ہیں تو برصغیر پر جب مسلمان حکمرانوں سے انگریزوں نے حکومت چھینی' شاہ عبدالعزیز دہلوی رحمتہ اللہ علیہ نے پورے ہندوستان کو دارالحرب قرار دیا تھا اور ان کے فتاویٰ عزیزیہ میں فتویٰ آج بھی موجود ہے۔ فتویٰ یہ تھا کہ ہندوستان جس پر انگریز قابض ہو گیا ہے یہ دارالحرب ہے یعنی یہ میدان جنگ ہے' میدان کارزار ہے۔ اس لئے نہیں کہ یہاں انگریز آگئے' اس لئے کہ اسلامی نظام کی بساط لپیٹ کر وہاں کافرانہ نظام ریاست' نظام حکومت' نظام سیاست' نظام عدالت' نظام معیشت' نظام تعلیم تک کافرانہ رائج کر دیا گیا۔ اس لئے محدث عصر اور امام وقت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ نے فتویٰ دیا کہ ہندوستان دارالحرب ہے اور مجھے یاد ہے کہ تب سے لیکر ہمارے زمانے تک جب تک ہم نماز جمعہ ادا کرتے تھے تو جمعے کے فرض پڑھنے کے بعد لوگ ظہر کے چار فرض ادا کرتے تھے جمعے کی نماز تو جماعت سے ہوتی لیکن پھر چار فرض دہرائے جاتے تھے بھئی یہ کیا ہیں تو فرماتے تھے بزرگ کہ یہ احتیاطا" پڑھے جاتے ہیں اسے ظہر احتیاطی کہتے ہیں کہ شاہ صاحب کا فتویٰ ہے کہ یہ سرزمین دارالحرب ہے اور دارالحرب میں جمعہ نہیں ہوتا وہاں ظہر پڑھی جاتی ہے کیونکہ مسلمان جمعہ کو چھوڑنا بھی نہیں چاہتے تو جمعہ پڑھ لینے کے بعد پھر احتیاطا" ظہر پڑھتے ہیں کہ یہ جمعہ کی نماز تو شاید ہوئی ہے کہ نہیں اس لئے ظہر رہ نہ جائے ظہر پڑھی جائے اسے ظہر احتیاطی کہتے تھے۔ یہ تبدیلی ملک تک' گاؤں میں' دیہاتوں میں' قریوں میں ہر جگہ ہر آدمی اسے جانتا تھا۔ انگریز کی آمد سے لیکر پاکستان بننے تک اور جو لوگ اس زمانے کے ہیں انہیں یاد ہو گا کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد ظہر احتیاطی ادا کی جاتی تھی جو الگ الگ ہر آدمی چار فرض ظہر کے پڑھتا تھا۔

سوال یہ ہے کہ کیا پاکستان بن جانے کے بعد سرزمین پاکستان کو دارالسلام کہا جائے یا یہ بدستور دارالحرب رہے گا کہ انگریز تو چلا گیا اب حکمران مسلمان آگئے اسی سرزمین کے رہنے والے لوگ ہیں اور انہی لوگوں میں سے ہیں ہمارے ہی بھائی بیٹے بھتیجے یہی لوگ ہیں تو پھر کیا یہ دارالسلام دالاسلام ہوگا دارالامن ہوگا۔

لیکن بات یہ ہے کہ انگریز کے وجود سے یہ دارالحرب نہیں بنا تھا اس لئے دارالحرب قرار نہیں دیا گیا تھا کہ یہاں انگریز آگئے ہیں دارالحرب اس لئے بنا تھا کہ اسلامی ضابطوں کی جگہ انگریزی ضابطے آگئے ہیں' طرز حکومت انگریزی آگیا ہے' طرز سیاست انگریزی آگیا ہے' معیشت انگریزی ہو گئی ہے۔ سارے قوانین عدالت' نظام عدل جو ہے وہ

انگریزی آگیا ہے۔ نظام تعلیم انگریزی ہے اس لئے یہ دارالحرب ہے۔ اب صرف انگریز گیا ہے اس کا وہ نظام یہاں سے نہیں گیا۔ پاکستان بن جانے کے بعد مسلمانوں کی حکومت بن گئی اسلام کی نہیں۔ حکومت مسلمانوں کی ضرور ہے اسلام کی نہیں ہے دارالاسلام نہیں بنا' دارالحرب ویسا ہی ہے اس لئے کہ انداز سیاست وہی انگریزی ہے' انداز تعلیم وہی انگریزی ہے' انداز معیشت وہی سودی انگریزی ہے تو جو نظام انگریز نے رائج کیا تھا وہ من وعن بدستور اسی طرح رائج ہے۔ اس لئے آج کا کوئی عالم آج کا کوئی مفتی کوئی فاضل اس فتوے کو ہٹانے کی جرات نہیں کر رہا ورنہ کسی مفتی نے تو یہ فتویٰ دیا ہوتا کہ اب یہ سرزمین پاکستان جو ہے کم از کم یہ دارالحرب نہیں ہے۔ میری نظر سے نہیں گزرا میری' اطلاع میں کوئی ایسا فتویٰ نہیں ہے کہ کسی آج کے عظیم عالم نے' مفتی صاحب نے یہ ارشاد فرمایا ہو کہ اب یہ دارالسلام بن گیا ہے یہ دارالامن بن گیا ہے۔

میدان کارزار کے اپنے ضابطے اور اصول ہوتے ہیں امن کے ضابطے اور ہوتے ہیں اور حالت جنگ کے ضابطے اور ہوتے ہیں۔ امن کے زمانے میں تو سکھایا جاتا ہے' سمجھایا جاتا ہے' تربیت کی جاتی ہے لیکن میدان جنگ میں جب جاتے ہیں تو جن لوگوں کو جنگی تجربہ ہے وہ خود جانتے ہیں کہ ہر سپاہی اپنا فیصلہ خود کرتا ہے جب برستی آگ میں اور بارش کی طرح برستی ہوئی گولیوں میں یا آسمان سے گرتے ہوئے بموں میں یا توپ کے گولوں کے سامنے جب ہوتا ہے تو کوئی حکم دینے نہیں جاتا کہ یہاں سے اٹھ کر وہاں بیٹھ جاؤ یا تم آگے سے فائر کرو یا تم روکو۔ وہ گھڑی ہر ایک کے اپنے فیصلے کی ہوتی ہے اور اپنی صوابدید پر ہر شخص سپاہی میدان کارزار کا ہر فرد وہ فیصلہ کرتا ہے جس میں وہ سمجھے کہ ہماری جیت ہے جس میں وہ سمجھے کہ دشمن کی شکست ہے اور وہ سپاہی باوفا ہوتا ہے یا باوفا سمجھا جاتا ہے جو فیصلہ کرتے وقت صرف اپنی جان بچانے کے لئے فیصلہ نہ کرے بلکہ اپنی فوج کو' اپنی جماعت اپنی پارٹی کو' اپنی قوم کو فتح مند کرنے کے لئے فیصلہ کرے خواہ اس میں اس کی جان چلی جائے۔ آپ نے دیکھا بعض سپاہیوں کو مرنے کے بعد ملک کے بڑے بڑے' سب سے بڑے اعزاز دیئے جاتے ہیں اور بعض اعزازات ہیں ہی ایسے جو کسی زندہ کو دیئے نہیں جاتے جنہیں حاصل کرنے کے لئے مرنا ضروری ہے تو کیا وہ خودکشی کرنے والوں کو دیئے جائیں گے؟ ہرگز نہیں! انہی لوگوں کو جو عین میدان کارزار میں ایسا فیصلہ کرتے ہیں جس میں وہ اپنی جان بھی ہار جاتے ہیں لیکن یہ فیصلہ قوم کی بہتری کے لئے' دین کی بہتری کے لئے' قوم کی فتح مندی کے لئے ہوتا ہے اور باطل کی شکست کے لئے ہوتا ہے۔ اب اگر میدان کارزار میں سپاہی خوابوں کا سہارا لینے لگیں تو فوج کیا مقابلہ کرے گی۔ میدان کارزار میں وہ سپاہی کام کرتا ہے جو اپنی ذات کو اپنے مشن سے وابستہ کر لیتا ہے جس کے اپنے ذاتی مفادات کی حیثیت ثانوی ہو جاتی ہے اور جس مشن پر ہے اس مشن کی اہمیت پہلے درجے میں آجاتی ہے وہ مشن کامیاب ہونا چاہئے اپنی جان رہے رہے نہ رہے تو ماشاء اللہ اس مشن پر قربان کرنے ہی کے لئے ہے۔

ہمارے ہاں اب ہم بڑے سکون سے وظیفے بھی کرتے ہیں تسبیحات بھی پڑھتے ہیں تلاوت بھی کرتے ہیں تبلیغی سفر بھی کر لیتے ہیں چلے بھی لگاتے ہیں لیکن آج بھی ہمارے یہ جمعے جو ہم ادا کرتے ہیں ان کی صحت آج بھی مشکوک ہے اور فتوے کی زد میں ہے اس لئے کہ جن وجوہات کی بنیاد پر اس سرزمین کو دارالحرب قرار دیا گیا تھا وہ وجوہات رفع نہیں ہوئیں وہ اسباب زائل نہیں ہوئے وہ اپنی جگہ قائم ہیں تو جب سبب قائم ہے تو نتیجہ قائم رہے گا۔ اب اس حال میں قوم کی حالت یہ ہے کہ مجھے خط لکھتے ہیں کہ یہ خواب آیا تھا' میں نے خواب میں اس طرح دیکھا' میرے خواب میں یہ گزرا' میرے خواب میں وہ گزرا۔ میری آدھی سے زیادہ ڈاک لوگوں کے خوابوں پر مشتمل ہوتی ہے اور باقی آدھی حصول معاش کے لئے' روزگار کے لئے کہ کوئی وظیفہ بتایئے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میدان جنگ میں کسی کو روزی کے لئے وظیفہ کی ضرورت ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ میدان جنگ میں کسی کو اتنی نیند آتی ہے کہ وہ لمبے لمبے خواب دیکھا کرے۔ شاید ہم لوگوں نے خود کو اسلام سے یا مسلمان قوم سے الگ ایک فرد سمجھ لیا ہے ہم ایک تماشائی بن گئے ہیں اور ہم نے اپنے وجود کو' اپنی ذات کو' اسلام سے بھی اور مسلمان قوم سے بھی الگ کر لیا ہوا ہے۔ ہم فارغ ہیں ہم بیٹھے خواب دیکھا کرتے ہیں ہمارے پاس فرصت ہے ہم خود کو امیر ترین بندہ بنانا چاہتے ہیں ہم دولت جمع کرنا چاہتے ہیں۔

کل ایک بڑا مزے دار محاورہ میں نے سنا ٹیلی ویژن پر وہ ہندو کا ایک اشلوب پڑھ رہے تھے جو دوجے کو میر دھن کر دے دھنوان وہی بن سکتا ہے بڑا اچھا نسخہ امیر بننے کا اس میں انہوں نے ہمیں بتایا ہے کہ جو دوسروں کو کنگال کر دے وہ دولت مند بن سکتا ہے دولت مندی کا نسخہ یہ ہے کہ دوسروں کو کنگال بنانے کی فکر کرو تم ازخود امیر ہو جاؤ گے۔ جہاں سے آئے' جس کا آئے' لوٹتے چلے جاؤ' دوسروں کے حقوق پر ڈاکے ڈالو تم قارون بن جاؤ گے اور اگر یہ نہیں تو پھر رزق حلال میں اگر دو وقت کا کھانا میسر آجائے تو حالت جنگ میں تو لوگ گھاس کھا کے جیتے ہیں یہ جو لوگ انگریز کے لئے لڑتے رہے ہمارے باپ دادا ہم نے ان کو دیکھا ہے کہ انہیں راشن مین صرف مونگ پھلی ملا کرتی تھی چنے کے دانے ملا کرتے تھے۔ پرانے فوجیوں سے پوچھو مہینوں چنے کے دانے کھا کر دریاؤں اور چشموں سے پانی پی کر انگریز کے لئے لڑتے رہے اسے میدان کارزار کہتے ہیں یہ حالت جنگ ہوتی ہے مونگ پھلی ملتی تھی فوجیوں کو راشن میں' کوئی چائے' کوئی بسکٹ' کوئی گوشت' کوئی روٹی کچھ نہیں ہوتا تھا۔ موت ناچتی ہوتی تھی' دائیں بائیں گولے برس رہے ہوتے تھے' لوگ مر رہے ہوتے تھے اور دوسروں مردوں پر سے پھلانگ پھلانگ کر آگے پیچھے بھاگ رہے ہوتے تھے اس طرح سے لوگ لاشیں پھلانگتے تھے جیسے پتھر

پڑے ہوں۔ کسی کو کسی پر مٹی ڈالنے کی فرصت نہیں ہوا کرتی تھی تو اگر انگریز کے غلبے کے لئے میدان کارزار میں اتنی تکلیف اٹھائی جا سکتی ہے تو جن لوگوں کی وفائیں محمد رسول اللہؐ کے ساتھ ہوں جن لوگوں کو اپنے مسلمان ہونے کا دعویٰ ہے جن کی وفائیں اللہ اور اللہ کے قرآن کے ساتھ ہیں وہ دال روٹی کے پیچھے دوڑتے رہیں اور زندگی بھر ایک لقمہ روٹی کا حاصل کرنے کے لئے اسی اسی نوے نوے برس عمر ضائع کر کے چلے جائیں اور ان کی کوئی رات اس فکر میں نہ گزرے کہ دین کو غالب کیسے کیا جائے اور کوئی ن اس فکر میں دل بے قرار نہ ہو کہ کفر کے غلبہ سے کیسے نجات حاصل کی جائے۔ صرف ایک یہ احساس دل میں آجائے بھوک مر جاتی ہے' نیند اڑ جاتی ہے' خواب عنقا ہو جاتا ہے اور یہ مت بھولئے کہ آپ بدستور حالت جنگ میں ہیں اور آپ بدستور میدان کارزار میں ہیں اور آپ اس حال میں ہیں جس میں اللہ اپنے حبیبؐ کو حکم دے رہا ہے۔

ولا تطع الکفرین۔ کافروں کی اطاعت ہرگز نہیں کی جائے گی جب کہ ہم کر رہے ہیں ہماری معیشت کافرانہ ہے' ہماری یہ موجودہ سیاست کافرانہ ہے' یہ اکثریت کی جیت پہ حکومتیں بنتی ہیں یہ کافرانہ نظام ہے' اکثریت مکہ مکرمہ میں ابوجہل کے ساتھ تھی محمد رسول اللہؐ کے ساتھ نہیں تھی اکثریت مدینہ منورہ میں بھی یہود کی اور کفار کی تھی اکثریت جزیرۃ العرب میں بھی کفار اور مشرکین کی تھی بدر میں بھی احد میں بھی حدیبیہ میں بھی اور خندق میں بھی اکثریت کافروں کی طرف تھی تو کیا اکثریتی فیصلے کو مان کر نبی علیہ الصلواۃ والسلام کو ہتھیار پھینک دینے چاہئیں تھے اگر نہیں تو آج بھی اکثریت نہیں مانی جائے گی حق مانا جائے گا حق کا اتباع کیا جائے گا سچائی کو مانا جائے گا حقیقت کو مانا جائے گا اکثریت کو نہیں۔

اللہ کریم کا ایک اصول ہے بندوں کے مزاج کے مطابق خود ارشاد فرماتا ہے وقلیل من عبادی الشکور روئے زمین پر ہمیشہ ہر دور اور ہر عہد میں شکر گزار بندوں کی تعداد ناشکر گزاروں کی نسبت قلیل ہوا کرتی ہے۔ اگر مروجہ سیاست کو اصول بنایا جائے تو ہمیشہ حکومت بے دینوں کی ہونی چاہئے بدکاروں ہی کی ہونی چاہئے یہ ہمارا انداز سیاست کافرانہ ہے ہمارا معاشی ڈھانچہ سارے کا سارا وہی ہے جو انگریز نے استوار کیا جو سود پر ہے اور لوٹ مار پر جس کی بنیاد ہے جو غریب سے چھینتا ہے اور دولت مند کو مزید دولت مند بناتا چلا جاتا ہے جو حرام ہے قرآن کی رو سے اور حرام حرام میں بھی فرق ہے قتل کتنا بڑا جرم ہے جس کسی نے کسی ایک بندے کو ظلماً قتل کیا قرآن حکیم فرماتا ہے کانما قتل الناس جمیعا"۔ اس نے انسانیت کو قتل کیا ایک فرد کو نہیں وہ فرد انسانیت کا جو تھا ایک بندے کو ظلماً مارنا ایسا ہی ہے جیسے ساری انسانیت کو ظلماً قتل کر دینا ہے۔ اس کی سزا بڑی سمپل Simple سی قتل کا بدلہ قتل جس نے کیا ہے وہ قتل کیا جائے گا۔ یہ حرام تھا قتل کرنا اس کی سزا اس کے برابر ہے دوسرا حرام ہے بدکاری وہ بھی حرام ہے لیکن اگر ثابت ہو جائے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا اسے سنگسار کیا جائے گا پتھر مار مار کر مار دیا جائے گا اذیتیں دے کر مارا جائے گا بے رحمی سے مارا جائے گا اور حکم ہے کہ جو بھی اس موقع پر ہے پتھر پھینکے کوئی اس پر رحم نہ کرے رحم کرنا حرام ہے۔

قتل بھی حرام ہے بدکاری بھی حرام ہے اور قتل اتنا قبیح فعل ہے کہ گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا لیکن اس کی سزا قتل ہے جبکہ بدکاری کی سزا رجم ہے جو سب سے دہشت ناک سزا ہے۔

اسی طرح سود بھی حرام ہے لیکن یہ صرف سمپل Simple حرام نہیں ہے فاذنوا بحرب من اللہ ورسولہ سود کھانا اللہ اور اللہ کے رسولؐ کے خلاف اعلان جنگ ہے یعنی ہر حرام ایک درجے کا نہیں ہوتا سود حرام ہے لیکن سود کی حرمت ایسی ہے کہ سود پر عمل کرنے والا سود کو قبول کرنے والا سود کا لینا حرام ہے سود کا دینا حرام ہے سود کے لئے رسید لکھنا حرام ہے سود خور کی گواہی دینا حرام ہے سود کے لین دین پر گواہی دینا حرام ہے ہماری معیشت اسی پر استوار ہے اور ہم نے اس کے ساتھ سمجھوتہ کر رکھا ہی جس کے خلاف جہاد کا حکم ہے وجاھد الکفار۔ وجاھد ھم بہ جھاد" کبیرا" ان سے آخری حد تک مقابلہ کیا جائے مقابلہ کون کرے گا اسلام کرے گا اسلام کی سب شناخت اس کے ماننے والے اس کے پیروکار ہیں ماننے والے خوابوں پر جیتے ہیں ماننے والے سمجھوتہ کیئے ہوئے ہیں ماننے والوں کو انتظار ہے۔

میں آپ کو ایک بات بتاؤں مکہ مکرمہ پر ابرہہ چڑھ دوڑا اس لئے کہ اس نے جب یہ سنا تھا کہ عرب میں ایک مقام ہے اس پر ایک گھر بنا ہوا ہے اسے خدا کا گھر کہتے ہیں بڑی دنیا وہاں جمع ہوتی ہے لوگ اس کا طوائف کرتے ہیں زیارت کرتے ہیں دعائیں مانگتے ہیں تو اس نے اپنی ریاست میں ایک خوبصورت گھر بنایا یہ گھر بھی خدا کا ہے اس نے زر وجواہر اور بڑے ہیرے اس میں جڑائے طرح طرح کی روشنیاں کیں خوبصورت سجایا سنوارا اور اعلان کر دیا کہ دنیا کا جو بندہ بھی یہاں آئے گا اس کی خدمت کی جائے گی تواضع کی جائے گی حفاظت کی جائے گی آؤ اور لوگو! اس گھر کا طوائف کرو اسے آباد کرو۔ کوئی نہیں گیا' اپنے ملک سے بھی کوئی نہیں گیا۔ اس کے دل میں یہ خناس سما گیا کہ چونکہ وہ جو مکے میں ہے وہ معروف ہے تو جب تک وہ ہے دوسرے گھر کو کوئی نہیں آئے گا میں اس گھر کو ہی کیوں نہ مٹا دوں جب وہ گھر نہیں ہو گا تو لوگ خود یہاں آئیں گے وہ مکہ مکرمہ پر چڑھ دوڑا۔ نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی ولادت سے پہلے کی بات ہے حضرت عبدالمطلب نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے دادا جان رئیس تھے انہوں نے اہل شہر کو حکم دیا کہ شہر خالی کر دیں اس لئے کہ اس کے ساتھ عظیم لشکر ہے بہت بڑی فوج ہے اور ہم نہتے شہری اس بادشاہی فوج کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ فوجیوں نے ان کے کچھ اونٹ پکڑ لئے آپ تشریف لے گئے' مزدلفے کے مقام پر اس نے خیمے لگائے ہوئے تھے حضرت عبدالمطلب

گئے جانے کی اطلاع کی گئی اس نے بلوا لیا عزت سے بٹھایا پوچھا کیسے آئے ہو آپ۔ آپ نے فرمایا! تمہارے فوجیوں نے میرے کچھ اونٹ پکڑ لئے ہیں ان کے لئے آیا ہوں میرے اونٹ رہا کر دیئے جائیں ابرہہ بڑا حیران ہوا۔ کہنے لگا کہ اتنا اونچا لمبا دراز قد جوان روشن چہرہ وجیہہ چہرہ اور ایک ہیبت ناک ہستی اور رئیس مکے کا اور میں آیا ہوں کعبے کو ڈھانے کے ارادے سے اور میں سمجھ رہا تھا کہ آپ میرے ساتھ اس موضوع پر بات کریں گے تو آپ نے اونٹوں کی بات کی۔ دس اونٹ یا پچاس اونٹ کی کیا حیثیت ہے؟ جب کہ صدیوں سے آپ کے باپ دادا جس کا طواف کرتے آرہے ہیں اور سجدے کرتے آرہے ہیں اور میں اس کی اینٹ سے اینٹ بجانے آیا ہوں۔ انہوں نے فرمایا! کہ میں اونٹوں کا مالک ہوں اونٹ میرے ہیں میں نے ان کی بات کی ہے اس گھر کا بھی ایک مالک ہے۔ تیری طاقت' تیری سپاہ' تیری فوج' ہماری حیثیت ہماری طاقت سے بالاتر ہے ہم تجھ سے بات نہیں کر سکتے ہم نے مالک سے کہہ دیا ہے کہ وہ اپنے کعبے کی بات خود کرے گا۔ میں اپنے اونٹوں کے لئے آیا ہوں وہ اپنے کعبے کی بات کرے گا اور وہی ہوا مالک نے کعبے کی بات کر لی اور دنیا کے کمزور ترین پرندے سے جو چڑیوں میں بھی کمزور ترین سمجھا جاتا ہے اسے ان پر مسلط کر دیا۔ الم ترکیف فعل ربک باصحاب الفیل۔ جب کہ وہ بڑے بڑے ہاتھیوں کا لشکر لے کر آئے تھے تو کیا اے مخاطب تو نے دیکھا نہیں کہ ہم نے ان ہاتھی والوں کا کیا حشر کیا تیرے پروردگار نے ارسل علیھم طیرا" ابابیل اس نے ان پر ابابیلوں کا لشکر بھیج دیا ترمیھم بحجارتم من سجیل۔ ہر ایک کے پنجے میں کنکر تھا جو ان پر پھینکے جا رہے تھے فجعلھم کعصف ماکول۔ ان کا حشر یہ ہو گیا جیسے جانور کوئی بھوسا کھا کر اگل دے اور وہ جانور کا اگلا ہوا بھوسا جس طرح پڑا ہوتا ہے اس طرح ان کی لاشیں تک

کعصف ماکول کھائے ہوئے بھوسے کی طرح پڑے تھے جس طرح آدھا بھوسا کھا کر کوئی جانور نگل دے کہ جس کا کوئی حصہ سلامت نہ ہو اس طرح پڑے تھے۔

مزے کی بات یہ ہے کہ اس کے بعد کعبے پہ کئی دفعہ طوفان آیا لوگوں نے حجرا سود اکھیڑ لیا بیس برس تک کعبہ حجرا سود سے محروم رہا کوئی ابابیل نہیں آیا عین مطاف میں حاجی قتل کئے گئے کوئی ابابیل نہیں آیا ابن زبیر جیسے لوگوں کو رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو سولی پر لٹکا دیا گیا کوئی ابابیل نہیں آیا پھر کیا ابابیل کے لشکر ختم ہو گئے یا اللہ کی ملکیت ختم ہو گئی؟ بات کیا ہوئی بعثت محمد رسول اللہؐ کے بعد؟ اللہ نے فرمایا اب کعبے کی رکھوالی اے میرے نبیؐ تیرے ذمے ہے اب ابابیل نہیں آئیں گے اب اگر اسے سلامت رہنا ہے تو تیرے جاں نثاروں کے خون پر سلامت رہے گا اگر یہ اس کی حفاظت کا حق ادا نہ کر سکیں تو پھر اسے گر جانے دے مجھے حیا آتی ہے کہ میں اب بھی ابابیلیں بھیجوں تب سے اب تک کوئی ابابیل نہیں آیا اور کبھی نہیں آئے گا کعبہ گرا دیا جائے گا طواف ختم ہو جائے گا حج وعمرہ ختم ہو جائے گا قیامت آئے گی ابابیل نہیں آئیں گے دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی دنیا تباہ کر دی جائے گی لیکن کعبے کو بچانے کے لئے ابابیل نہیں بھیجے گا۔ یہ اس نے فیصلہ کر دیا۔

اور نبی علیہ الصلواۃ والسلام کی پیش گوئیوں میں موجود ہے کہ کعبہ گرا دیا جائے گا حج موقوف ہو جائے گا اسے گرتے ہوئے بچانے کے لئے ابابیل نہیں آئیں گے بلکہ قیامت آئے گی دنیا کی بساط لپیٹ دی جائے گی زمین و آسمان تباہ ہو جائیں گے دوبارہ ابابیل نہیں آئیں گے۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم جن کے کندھوں پر دین کی عمارت استوار ہے' ہم کس آنے والے کا انتظار کرتے ہیں؟ ہر بندہ کہتا ہے کوئی آئے گا۔ کون آئے گا کوئی نہیں آئے گا۔ نہ تو کوئی آسمان سے ٹپکے گا نہ کوئی زمین سے اُگے گا۔ یہ میری اور یہ آپ کی' یہ ہم سب کی' ہر اس بندے کی ذمہ داری ہے جو کہتا ہے لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ ایک

وقت آئے گا جب اللہ کے حضور ہم سب کو جواب دینا ہو گا اور یہ بتانا پڑے گا کہ ہم نے کفر سے سمجھوتہ نہ کرنے کے لئے کیا کچھ کیا اور ہم نے جہاد کے لئے کتنا ایثار کیا ہمارے پاس مال تھا ہم نے مال خرچ کیا ہمارے پاس وقت تھا ہم نے وقت خرچ کیا جان تھی ہم نے جان دی۔

نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے ارشاد فرمایا کہ کسی کو زندگی بھر یہ خیال ہی نہ آئے کہ اللہ کی راہ میں میں مارا جاؤں اور میری جان بھی اسلام کی راہ میں کام آئے' میں بھی جہاد پہ جاؤں' میں بھی اللہ کی راہ میں کام آؤں' مجھے شہادت نصیب ہو اگر کسی کو زندگی بھر یہ خیال ہی نہیں آیا فقدمات موت الجحاھلیہ تو وہ ایسی موت مرا جیسی موت لوگ میرے مبعوث ہونے سے پہلے مرا کرتے تھے گویا اس نے نہ میرا زمانہ پایا نہ میری نبوت کا زمانہ پایا نہ میری بات سنی' نہ مجھ پر ایمان لایا مجھ سے پہلے مر گیا۔

تو میرے بھائی ہمارے پاس خوابوں کی فرصت نہیں ہے نہ خواب دیکھنے کی نہ خواب سننے کی۔ ہمارے پاس حیلوں اور بہانوں سے ٹالنے کا وقت نہیں ہے۔ ہمارے پاس اللہ کا حکم موجود ہے کہ کفر کی اطاعت نہیں کی جائے گی لاتطع الکفرین یہ کفر کی اطاعت یا اسلام کی اطاعت کیا کسی ایک فرد کی اطاعت ہوتی ہے؟ نہیں! یہ ضابطوں کی' قوانین کی' اصولوں کی اطاعت ہوتی ہے۔ کفر جو کافرانہ ضابطے بناتا ہے ان کی اطاعت کرنے سے منع کیا جا رہا ہے اور اسلام کا بول بالا کرنے کے لئے حکم دیا جا رہا ہے وجاھد الکفار۔ وجاھد ھم بہ جھادا" کبیرا" اور ان سے اپنی انتہائی طاقت صرف کر دیجئے جہاد کرنے پر اور یہ حکم تا قیامت باقی ہے اس میں کوئی لوچ کوئی لچک کوئی تنقیص

نہیں ہم سب مکلف ہیں جہاد کرنے کے۔ اور میں آپ کو عرض کرتا چلوں کہ [illegible] کا طریقہ ہی جہاد ہے وہ جہاد جو نہ کسی کو نیچا دکھانے کے لئے ہے نہ کسی فرد کو تخت پر بٹھانے کے لئے جہاد

صرف وہ ہے جو کفر کو مٹا کر دین حق کا غلبہ قائم کرنے کے لئے کیا جائے وہی جہاد کہلائے گا۔ ہمارے سامنے مثال موجود ہے افغانستان کی۔

روس کے ساتھ مسلمان بڑی بے جگری سے لڑے اور عجیب بات ہے ایک کلیہ بن گیا تھا' گزشتہ پون صدی سے ایک اصول بن گیا تھا کہ روس کا سپاہی جہاں قدم رکھتا ہے وہاں سے پیچھے نہیں آتا آگے جاتا ہے یہ ایک کلیہ بن گیا تھا لوگوں کے ذہنوں میں کہ روسی فوجیں جہاں اترتی ہیں وہاں سے جاتی نہیں ہیں اور جب سے روس کی یہ سلطنت زاروں کے زوال کے بعد بنی لینن نے بنائی اور پھر سٹالن نے اسے جب تک وسعت دی تب سے لیکر افغانستان کے جہاد تک روسی فوجیں جہاں اتر گئیں' اتر گئیں واپس نہیں گئیں' روسی غلبہ سمٹا نہیں۔ لیکن افغانستان کے جہاد نے نہ صرف روس کے سپاہیوں کو واپسی پر مجبور کیا بلکہ خود روس کے ٹکڑے کر دیئے' پرخچے اڑا دیئے۔

اتنی بڑی قربانی کے بعد بھی اسلام نافذ نہیں ہو سکا' کیوں؟ بڑی بڑی سات جماعتیں لڑ رہی تھیں جن میں سے تین جماعتیں افغان کاز پر لڑ رہی تھیں کہ بحیثیت افغان افغانستان ہمارا ہے۔ روسی یہاں کیوں آئے؟ چار جماعتیں جو دین کے نام پر لڑ رہی تھیں ان چاروں کی الگ الگ قیادت تھی اور اپنی اپنی قیادت کی کامیابی کے لئے لڑتی تھیں۔ اجتماعی طور پر دین کے لئے وہ بھی کام نہیں کر رہی تھیں۔ اگر مقصد دین ہی ہوتا تو جماعتیں سات نہ ہوتیں جماعت ایک ہو جاتی اور اگر اس وقت ان سات کی ایک جماعت ہو جاتی تو وہی وقت تھا کہ جو زمین اس وقت ان کے پاس آتی وہاں اسلام غالب ہوتا چلا جاتا لیکن چونکہ فتح کرنے والے گروپ سات تھے سات قسم کا اسلام تھا ہر کوئی اپنی پسند کے اسلام کا نام لے رہا تھا نتیجتاً ایک ایسی جماعت بھی پیدا ہو گئی جس میں کسی کا کچھ نہیں تھا جو محض اللہ کے نام پر کھڑی ہو گئی جسے آپ طالبان کہتے ہیں اسلام نافذ ہوتا نہیں گیا؟ پورے ملک پر نہیں ہو گیا ایک سرے سے دوسرے سرے تک؟ اب مخالف دھڑوں میں بڑے بڑے نام تھے بڑے بڑے پارسا بھی تھے پروفیسر ربانی صاحب بھی تھے حکمت یار صاحب بھی تھے اور بڑے بڑے بدمعاش بھی تھے رشید دوستم جیسے اور مزے کی بات یہ ہے کہ طالبان کے خلاف امریکہ اور روس میں بھی کوئی اختلاف نہیں تھا یعنی ان کے خلاف وہ دونوں بھی متحد تھے لیکن ان کا مقصد جہاد تھا' یہ جہاد ہے جو محض اسلام کو نافذ کرنے کے لئے کیا جائے۔ ساری دنیا کی فوجی طاقتیں دم توڑتی جا رہی ہیں اور وہ لوگ جن کے پاس ابھی تک وردی نہیں ہے' باقاعدہ یونٹ نہیں ہیں باقاعدہ تنظیم نہیں ہے' باقاعدہ عہدے نہیں ہیں' باقاعدہ دفاتر نہیں ہیں' کوئی چیز ان کے پاس ڈھنگ کی ابھی تک نہیں' کسی کے پاؤں میں ایک جوتا ہے دوسرا ہے ہی نہیں کسی نے پگڑ باندھ رکھا ہے کسی نے ٹوپی پہن رکھی ہے کسی کی شلوار پھٹی ہوئی ہے کسی کا کوٹ پھٹا ہوا ہے اور یہ پوچھو یہ کون ہے؟ یہ گورنر ہے' یہ کون ہے؟ یہ سالار لشکر ہے' یہ کون ہے؟ یہ امیر شہر ہے' جہاں امن نام کی کوئی چیز نہیں تھی لڑکے اغوا ہوتے تھے عورتیں اغوا ہوتی تھیں مال لوٹے جاتے تھے وہاں کوئی کسی کو کچھ نہیں کہتا ہر طرف امن ہے کوئی چوری نہیں کرتا کوئی کسی کی عزت نہیں لوٹتا کوئی کسی کی جان نہیں لیتا یہ وہ جہاد ہے جس کا حکم قرآن دے رہا ہے۔

وجاھد ھم بہ جھاداً" کبیرا" وہ جنگ وہ مقابلہ جس کے نتیجے میں اسلام قائم ہوتا جائے اسلامی نظام قائم ہوتا جائے اور اسلامی دستور و آئین قائم ہوتا جائے وہ جہاد ہے اور اس کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس ہستی کو حکم دیا جا رہا ہے جو ساری کائنات کے لئے رحمت الٰہی ہے وما ارسلنک الا رحمتہ اللعلمین۔ اسے حکم دیا جا رہا ہے وجاھد ھم بہ جھاداً" کبیرا" اے میرے رحیم و کریم رسولؐ کفر کے ساتھ سمجھوتہ نہیں ہو گا۔ کفر اور اسلام ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ روشنی اور تاریکی سمجھوتہ کر کے نہیں رہ سکتیں۔ نور اور ظلمت میں دوستی کا رشتہ نہیں ہے۔ ایک کا وجود دوسرے کا عدم ہے۔ حق و باطل میں سمجھوتے نہیں ہیں ایک کا وجود دوسرے کے لئے عدم ہے اور کفر سے سمجھوتے کی اجازت مسلمان کے پاس نہیں ہے لہٰذا ہم سب پر فرض ہے کہ ہم اللہ کے دین کے غلبے کے لئے کام کریں۔ میدان عمل میں آئیں' اپنی کوششیں' اپنے اوقات' اپنا مال' اپنی جانیں تک پیش کریں ورنہ چھپا کر رکھنے والوں کا بھی مال لے لیا جائے گا جان بھی لے لی جائے گی اور پھر اس کی کوئی قیمت نہیں پڑے گی لیکن جو اس کے نام پر دے دیں گے اس کی قیمت ہے۔ تو میرے بھائی یہ خوابوں کی زندگی سے نکلیں وہم اور وساوس سے نکلو حقیقت کی زندگی میں۔ بندہ کچھ بھی نہ کر سکے تو اسے پتہ تو ہو' کم از کم یہ یقین تو ہو کہ مجھے کرنا کیا ہے۔ ہماری بدنصیبی تو یہ ہے کہ ہمیں یہ بھی شعور نہیں کہ ہمیں کرنا کیا ہے۔ اللہ کریم اگر یہ فکر سلیم دے دیں تو عمل کے راستے از خود نکل آتے ہیں تو یہ ہم سب پر فرض ہے کہ اس کافرانہ نظام کو مٹا کر اسلام کا عادلانہ نظام قائم کیا جائے۔

اس میں نہ کوئی کسی حکومت کا ڈر ہے نہ کسی ایجنسی کا خوف' نہ کسی شکایت کرنے والے کی شکایت کا ڈر یہ زندگی کا اصول ہے اس میں کسی کی نہ مخالفت ہے نہ پیپلز پارٹی کی مخالفت ہے نہ مسلم لیگ کی مخالفت ہے یہاں اس مقام پر آ کر پیپلز پارٹی ہو یا مسلم لیگ ملک کی ساری دینی سیاسی جماعتیں بھی اسی زد میں آتی ہیں جو مروجہ الیکشنوں میں حصہ لیتی ہیں وہ بھی اسی زد میں آتی ہیں کہ وہ کفر کے ساتھ سمجھوتہ کر کے چل رہی ہیں یہ کافرانہ انداز سیاست ہے اور اس سمجھوتے میں وہ بھی شامل ہیں۔ یہ سمجھوتہ حرام ہے مسلمانوں کے پاس اس کی اجازت نہیں۔ اور یہ سارے ہمارے قائدین جانتے ہیں جو دینی سیاسی جماعتوں کو چلا رہے ہیں وہ جانتے ہیں کہ جو وہ کر رہے ہیں یہ شرعاً" حرام ہے اور کافرانہ نظام کے ساتھ سمجھوتہ ناجائز ہے۔ انہیں اس کے خلاف ڈٹ کر کام کرنا ہے اور اس نظام کو مٹا کر اس کی جگہ اسلامی نظام سیاست' نظام عدالت' نظام معیشت لانے کے

مکلف ہیں یہ۔ یہ الگ بات ہے کہ کوئی ملک کے نام پر لوٹ رہا ہے' کوئی قوم کے غم میں بیمار پڑا ہوا قوم کو لوٹ رہا ہے' کوئی دین کے نام پر چندے کھا رہا ہے' جانتے سب ہیں۔ اگر حق کہنے سے کوئی ناراض ہوتا ہے تو ہوا کرے اس لئے کہ حق کہنے سے اللہ راضی ہوتا ہے اللہ کا نبیؐ راضی ہوتا ہے اور اس رضامندی پر اگر کوئی دوسرا روٹھتا ہے تو بلا سے روٹھ جائے اسے روٹھ ہی جانا چاہئے۔ تو میرے بھائی یہ بات سمجھوتوں کی نہیں ہے یہ بات حق وباطل کی ہے خوابوں کی دنیا سے نکلو اپنے آپ کو کم از کم اس جگہ ضرور لے آؤ کہ جہاں تم یہ کہہ سکو کہ ہم اپنا مقدور بھر کام کر رہے ہیں حصہ دے رہے ہیں ہم اپنا مال جان اپنی کوشش اپنی محنت اپنا وقت اس پر لگانے کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ اللہ کریم ہمارے گناہوں سے درگزر فرما کر ہمیں اس کار خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

بقیہ:۔ نظام

ہوگی کہ نظام کو تبدیل کرنے کے لئے رائے عامہ کو ہموار کرنے کی ضرورت ہے 'حالانکہ رائے عامہ تو پہلے ہی اس نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے حق میں ہے۔ کیونکہ اس نظام نے عوام کو کچھ نہیں دیا جنہیں دیا ہے وہی اس کے سب سے بڑے حامی بھی ہیں اور طاقتور بھی۔ وزیراعظم اگر انقلاب کی پہلی اینٹ رکھنا چاہتے ہیں تو انہیں پہلی ضرب نظام سے پہلے اس نظام کے پروردہ عناصر پر لگانی چاہئے کہ چور سے زیادہ چور کی ماں خطرناک ہوتی ہے۔

بشکریہ خبریں

بقیہ:۔ سرخ بتی

تبدیلی کیلئے دور سے نظر آتی ہوئی سبز بتی مزید روشن اور مزید شوخ ہوتی چلی جائے گی۔ بقول فیض:۔

اک ذرا صبر کہ فریاد کے دن تھوڑے ہیں

بشکریہ خبریں

اسرار التنزیل

حضرت الامیر محمد اکرم اعوان

فاستقم کما امرت ومن تاب معک ولا تطغوا انه بما تعملون بصیر ○

سو (اے پیغمبرؐ) جیسا تم کو حکم ہوتا ہے (اس پر) تم اور جو لوگ تمہارے ساتھ تائب ہوئے ہیں قائم رہو اور حد سے تجاوز نہ کرنا۔ وہ تمہارے سب اعمال کو دیکھ رہا ہے۔

سورہ "ھود" آیت نمبر۔ 112

آپ بالکل سیدھے چلتے رہئے جیسا آپ کو اللہ کا حکم ہے اور وہ لوگ بھی جنہیں آپؐ کے ساتھ توبہ نصیب ہوئی کہ آپ سب بھی جو عمل کرتے ہیں اللہ کریم ذاتی طور پر سب کو دیکھ رہے ہیں یہی وہ آیہ کریمہ ہے جس کے بارے میں آپؐ کا ارشاد ہے کہ سورہ ھود نے مجھے بوڑھا کردیا۔ حضرت ابن عباسؓ کے مطابق یہی حکم استقامت تھا جس کے باعث آپؐ نے یہ فرمایا۔ استقامت کا مفہوم سیدھا کھڑا ہونے کا ہے کہ کسی طرح بھی معمولی سا جھکاؤ بھی نہ ہو۔ نہ صرف عمل کے اعتبار سے بلکہ حقیقی استقامت میلان قلبی کے اعتبار سے ہے اور اس سے مراد ہے کہ اللہ اور اس کے معین کردہ راستے پر اس خلوص اور محبت دل کی گہرائی اور پیار کی شدت سے چلے کہ اس کے خلاف چلنا گوارا ہی نہ رہے اس کے خلاف کی طلب مٹ جائے۔ اسی کو فنافی الرسول اور فنافی اللہ بھی حسب مراتب کہا جاتا ہے اور ان مراقبات کا حاصل بھی عملی زندگی کی یہ کیفیت ہے۔

عالم میں تمام خرابی کی جڑ بھی استقامت سے ہٹنے سے شروع ہوتی ہے خواہ افراط سے ہو یعنی اللہ کے فرمائے ہوئے امور میں کچھ بڑھایا جائے یا تفریط سے کہ ان میں کچھ کمی کی جائے۔ یہ کمی بیشی اللہ کی توحید اس کی ذات یا اس کی صفات میں کی جائے یا اس کی مقرر کردہ حدود اور احکام میں کرنے والے گستاخانہ اعتبار سے کریں یا بڑے پیار اور نیک نیتی سے کریں۔ دونوں طرح گمراہ قرار پائیں گے۔

اسی طرح انبیاء علیہم الصلوۃ والسلام کے مدارج ان کی عظمت و محبت کی حدود اللہ کی طرف سے ارشاد فرما دی گئیں اب کوئی ان میں کمی کرے یا اضافہ کرے اللہ کی صفات میں انہیں شریک ٹھہرانے لگے گمراہ ہو جائے گا۔

اس لئے نبی اکرمؐ نے بدعات سے بچنے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی کہ انسان سمجھتا ہے یہ دین ہے اور اس پر عمل کرکے اللہ کو راضی کر رہا ہوں مگر نتیجہ برعکس ہوتا ہے لہٰذا عقیدہ اور عمل دونوں میں پوری تحقیق کرے کہ اگر رسول اللہؐ نے ایسا فرمایا یا کیا ہے تو درست ورنہ کبھی اس کے قریب نہ پھٹکے۔

یہ استقامت عقائد سے لیکر معاملات' اخلاقیات' سیاسیات اور معاشیات تک ہر جگہ ضروری ہے جہاں بھی کوئی اس سے ادھر ادھر ہو گا نتائج خراب ہونا شروع ہو جائیں گے۔ اور فرمایا ولا تطغوا یعنی استقامت کیا ہے؟ اللہ کی مقررہ کردہ حدود سے نہ بڑھنا تمام امور میں اور ساتھ حکم دیا اے لوگو! ان کی طرف مت جھکو جو ظالم ہیں یعنی ان حدود کو توڑ رہے ہیں۔ اگر ایسا کرو گے تو تم بھی ان کے ساتھ دوزخ میں جھونک دیئے جاؤ گے۔ اور اللہ کو چھوڑ کر ظالموں سے دوستی تمہیں ہر طرح کی مدد سے بھی محروم کردے گی کہ جسے اللہ چھوڑ دے اس کا کوئی بھی نہیں ہوتا۔

تشنہ اسلام

جس طرف دیکھو چھڑی ہے جنگ قتل عام ہے
ہر جگہ محشر بپا ہے' شور ہے' کہرام ہے

جس کو دیکھو لڑ رہا ہے ما و من کے واسطے
کر رہا ہے جان کو قربان تن کے واسطے

چپہ چپہ پر زمین کے جنگ خوں آشام ہے
گوشہ گوشہ اب جہاں کا تشنہ اسلام ہے

کیوں نہ ہو! ناحق شناسی کا یہی انجام ہے
امن عالم کا جو ضامن ہے تو بس اسلام ہے

یہ نظام دہر اب تبدیل ہونا چاہئے
اس کو اب توحید پر تشکیل ہونا چاہئے

امن عالم کا بس اب ساماں ہونا چاہئے
سب کا دستور العمل قرآن ہونا چاہئے

حشر تک قانون اسلامی بدل سکتا نہیں
یہ اگر ہو تو ٹیڑھی چال کوئی چل سکتا نہیں

پھر حدود اللہ سے کوئی نکل سکتا نہیں
اور بجز اس کے کوئی گر کر سنبھل سکتا نہیں

رہ کے دنیا میں بلند اپنے خدا کا نام کر
جس لئے بھیجا گیا ہے تو یہاں وہ کام کر

تجھ کو حق توفیق خدمت اسلام دے
صدق دے ایماں کامل دے خلوص تام دے

قادری

ذکر خفی

حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ

وذکر ربک فی نفسک تضرعا وخیفته ودون الجهر من القول بالغدو والاصال ولا تکن من الغافلین○

اور (آپ ہر شخص سے یہ بھی کہہ دیجئے کہ) اے شخص اپنے رب کی یاد کیا کر اپنے دل میں عاجزی کے ساتھ اور خوف کے ساتھ اور زور کی آواز کی نسبت کم آواز کے ساتھ صبح اور شام یعنی (علی الدوام) اور اہل غفلت میں شمار مت ہونا۔

حضرت انور شاہ کشمیریؒ نے فرمایا! "ہم قرآن کی اس آیت کے لفظ سے باہر نہیں جاتے اور نہ اس کے عنوان سے کسی غیر معنی کی طرف جاتے ہیں پس اس سے مراد ذکر ہے نہ کہ نماز۔ اگرچہ نماز بھی ذکر ہے اور وذکر ربک سے ظاہر مراد ذکر قلبی ہے لسانی نہیں۔ نماز تو ذکر لسانی ہے شائد اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے واذکر اسم ربک نہیں فرمایا۔ اور فرمایا تضرعا وخیفته اور خفیته نہیں فرمایا۔ خوف دل کا فعل ہے اور از قبیل عقاب ہے یعنی خوف جیسے فرمایا مومن وہ ہیں جن کے سامنے اللہ کا ذکر کیا تو ان کے دل ڈر جاتے ہیں"

اسی آیت کی تفسیر میں امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے نبی اکرمؐ کو تبلیغ وحی کا حکم دینے کے بعد متصل ہی اس آیت میں حکم دیا "کہ آپؐ اپنے پروردگار کو دل میں یاد کریں۔ اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ آدمی ذکر سے مکمل طور پر مستفید اس صورت میں ہو سکتا ہے جب ذکر میں یہ صفت پیدا ہو جائے کیونکہ اس شرط (یعنی ذکر قلبی) سے ذکر کرنا اخلاص اور تضرع سے زیادہ قریب ہے"۔

اور تفسیر ابی السعود میں ہے کہ "اخفاء تمام اذکار کے لئے عام ہے کیونکہ اخفاء (ذکر خفی) میں اخلاص کا عنصر سب سے زیادہ ہے اور قبولیت کے اعتبار سے اقرب ہے"

اور ترمذی شریف کی حدیث صفت ابواب جہنم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ حضورؐ نے فرمایا!

اللہ تعالیٰ فرمائے گا اس شخص کو آگ سے نکال دو جس نے صرف ایک دن مجھے یاد کیا یا وہ میرے سامنے کھڑا ہونے سے ڈرا۔ اس آیت اور اس کی تفسیر سے ثابت ہوا کہ

1- ذکر سے مراد ذکر قلبی ہے۔ جو ذکر کثیر اور ذکر دائمی کی واحد صورت ہے۔

2- ذکر جہری لسانی کے مقابلہ میں ذکر قلبی کو فضیلت

بقیہ نمبر ۱۴ پر

لودھی برادرز

PSO

ڈسٹری بیوٹر PSO

شمس الرحمٰن خاں لودھی

نور الرحمٰن خاں لودھی

حفیظ الرحمٰن خاں لودھی

ہول سیل ڈیلر

پروپرائیٹرز

لائٹ ڈیزل، کیروسین، فرنس آئل، موبل آئل

لال ملز چوک فیکٹری ایریا فیصل آباد

فون:۔ 618946-624353، موبائل:۔ 0341-7651946

توبہ کرلو اس سے پہلے کہ

خطاب امیر محمد اکرم اعوان

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم○ ان الذین امنوا وعملو الصلحت سیجعل لھم الرحمٰن ودا○ فانما یسرنہ بلسانک لتبشر بہ المتقین وتنذر بہ قوما" لدا○ وکم اھلکنا قبلھم من قرن ھل تحس منھم من احداو تسمع لھم رکزا○

سولہویں پارے کے نویں رکوع کی سورۃ مریم کی ایہ مبارکہ ہے اور ان میں رب کریم ایک عجیب اصول ارشاد فرماتا ہے۔ قرآن حکیم کا انداز یہ ہے کہ ایمان کے ساتھ عمل صالح کو اس کا لازمی حصہ قرار دیتا ہے۔

الذین امنوا وعملو الصلحت۔ عمل صالح میں عبادات سے لیکر معاملات تک' اخلاقیات تک سب کچھ آجاتا ہے۔ اور قرآن اسے تقاضائے ایمان قرار دیتا ہے۔ ایمان ایک دعویٰ ہے جو آدمی یہ دعویٰ رکھتا ہے کہ میں اللہ کو واحد لاشریک مانتا ہوں' اللہ کے نبیوں پر ایمان رکھتا ہوں' حضور نبی کریمؐ کو اللہ کا آخری نبی اور رسول مانتا ہوں' قرآن کو اللہ کی کتاب مانتا ہوں' آخرت پر' فرشتوں پر' حساب کتاب پر' حشر نشر پر یقین رکھتا ہوں۔ اب اس دعوے کے گواہ کون ہیں کیونکہ کوئی دعویٰ اپنے گواہوں کے بغیر کامیاب نہیں ہوتا تو فرمایا اس کے گواہ ہیں عملوا الصلحت۔

ایک دوسری بڑی عجیب بات یہ ہے کہ ہر آدمی جو کچھ کرتا ہے اپنی طرف سے وہ درست کرتا ہے اور اس کے پاس دلائل ہوتے ہیں' اس کے پاس اس کا جواز ہوتا ہے' اس کے پاس اس کی دلیلیں ہوتی ہیں' حتی کہ کوئی کسی کو قتل کردیتا ہے تو اپنے طور پر اس کے پاس دلائل ہوتے ہیں کہ اگر اسے میں قتل نہ کرتا تو یہ یہ نقصان ہوتا۔ کوئی چوری کرتا ہے تو اس کے پاس اپنے دلائل ہوتے ہیں کہ ان لوگوں کا علاج ہی یہی تھا۔ جب ہر آدمی اپنے فیصلے یا اپنی بات کو معیار حق بنالے گا تو عمل صالح کا کیا پتہ چلے گا کہ کون سا کام عمل صالح ہے۔ اللہ رب العلمین نے عمل صالح کو پرکھنے کے لئے ایک معیار' ایک پیمانہ عطا فرما دیا وہ یہ کہ جو کام بھی حضورؐ کے حکم کے مطابق' آپؐ کی اتباع کے مطابق' اور آپؐ کے دائرہ اطاعت میں ہوگا وہ کام عمل صالح ہوگا اور جو کام نبی کریمؐ کی اطاعت سے ہٹ کر ہوگا وہ صالح نہیں ہوگا کوئی دلیل کسی کی یا کوئی جواز کسی کا یا کوئی کسی کا حیلہ حوالہ وہاں کام نہیں دیتا اور عمل صالح سے مراد صرف عبادات نہیں' عبادات اس کا ہلکا سا حصہ ہیں۔

نبی علیہ الصلواۃ والسلام کے ارشادات میں موجود ہے کہ زندگی میں جس کی ایک تسبیح مقبول ہو گئی ایک دفعہ سبحان ربی الاعلیٰ' سبحان ربی العظیم' سبحان اللہ' الحمدللہ یا اللہ الصمد' کوئی ایک تسبیح قبول ہوگئی وہ اس کی نجات کے لئے کافی ہے۔ عبادات' اللہ اور بندے کے درمیان معاملہ ہے۔ اللہ کریم ہے غفور الرحیم وہ جسے چاہے بخش سکتا ہے۔ لیکن عبادات بہت ضروری ہیں۔ اللہ کے ساتھ رشتہ رکھنے کے لئے' ایمان کو قائم رکھنے کے لئے' ایمان کو شفاف رکھنے کے لئے' ایمان کو مضبوط رکھنے کے لئے' ایمان کی ترقی کے لئے عبادات کے بے حد ضروری ہیں۔ لیکن اتنی ضروری عبادات نہیں ہیں جتنا ضروری حقوق العباد ہیں' ایک دوسرے کے حقوق ہیں۔ فرمایا! اگر ان میں کوتاہی کرو گے تو قیامت کے روز وہ بندہ تمہیں معاف کرے تو میں معاف کروں گا ورنہ سزا پاؤ گے۔ یا تمہاری نیکیاں اسے دے دی جائیں گی یا اس کے گناہ تم پر لاد دیئے جائیں گے یا اس بندے سے معافی مانگو فرمایا! عبادات میرا حق ہے میں چاہوں تو معاف کردوں لیکن بندے کا حق بندے سے معاف کروانا پڑے گا۔

پھر عجیب بات یہ ہے کہ جو بندہ دعویٰ کرتا ہے محمد رسول اللہؐ کے امتی ہونے کا اس پر حق ہے کہ وہ نوع انسانی کو ظلم سے بچائے' برائی سے بچائے اور نیکی کا راستہ دکھائے۔

کنتم خیر امتہ فرمایا تم بہترین امت ہو اخرجت للناس۔ تمہیں قائم کیا گیا ہے نسل انسانی کے لئے تامرون بالمعروف نیکی کا حکم کرتے ہو اور تنھون عن المنکر۔ اور برائی سے روک دیتے ہو وتومنون باللہ۔ اور یہ کام تم اللہ پر یقین رکھ کر کرتے ہو۔ کسی پر احسان جتا کر نہیں' کسی معاوضے یا بدلے کے لئے نہیں۔

تو اس نظام میں وقت کے ساتھ ساتھ کمی آتی گئی' فاصلے بڑھنے لگے' صدیاں درمیان میں حائل ہوتی گئیں اور صدیوں کے فاصلوں نے دلوں میں دوریاں پیدا کر دیں اور محبتیں جن کے چشمے محمد رسول اللہؐ کے قلب اطہر سے پھوٹتے تھے ان محبتوں سے دل محروم ہونے لگے۔ یاد رکھئے! اللہ کی اطاعت کے لئے وہ محبت ضروری ہے جو برکات نبویؐ سے نصیب ہوتی ہے اب تو خال خال لوگ نظر آتے ہیں ورنہ ایک زمانہ تھا کہ ہر مسلمان بادشاہ نہ صرف ولی اللہ مانا جاتا تھا بلکہ بزرگ کہتے تھے کہ ایک بادشاہ میں تو ستر اولیاء کی قوت ہوتی ہے عجیب حال تھے بادشاہوں کے۔ چند سو نفوس لیکر محمود غزنوی غزنی سے بڑھا' سترہ حملے اس نے ہندوستان پر کئے اور کہا کہ ان کے سب سے بڑے بت "سومنات" کو توڑ دوں گا۔ جسے سارا ہندوستان پوجتا ہے اور بالاخر وہ

وہاں تک پہنچا۔ اس بت کی حفاظت کے لئے ہندوستان کے سارے راجے مہاراجے' سارے ہندو اکٹھے ہو گئے' لشکر عظیم بن گیا محمود غزنوی کے ساتھ چند سو آدمی تھے۔ عین میدان کارزار میں اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھا دیئے۔ خواجہ ابوالحسن خرکانی رحمتہ اللہ علیہ کا کرتہ اس کے پاس تھا تو اس نے اس پھٹے ہوئے فرسودہ کرتے کا واسطہ دیا اور دعا کی کہ اللہ مجھے سومنات پر فتح دے وہ جو لاکھوں کی تعداد میں تھے انہیں شکست ہوئی اور جو سینکڑوں تھے وہ فتح یاب ہوئے۔

تاریخ میں موجود ہے کہ ظہیرالدین بابر کا بیٹا ہمایوں سخت بیمار ہوا' زندگی کی امید نہ رہی طبیبوں نے جواب دے دیا تو اس نے دعا کی کہ بارالہا میری جو زندگی باقی ہے میرے بیٹے کو دے دے۔ اور اس کی بیماری مجھے دے دے اس کی سوانح میں موجود ہے کہ بیماری بادشاہ کو لگ گئی اور شہزادہ تندرست ہو گیا بادشاہ فوت ہو گیا اور شہزادہ حکومت کرتا رہا۔

ایک تصور یہ ہوتا تھا کہ مسلمان وہ لوگ ہیں جن کے دلوں میں ایمان اور یقین ہے اور جن کا کردار محمد رسول اللہؐ کے احکام کے تابع ہے' سنت کے تابع ہے اور ان پر جو حکمران ہو گا وہ سب سے اچھا آدمی ہو گا' نیک ہو گا' احکام الٰہی کے نفاذ کے لئے کوشش کرے گا' اس کے اعمال سب سے صالح ہوں گے اور مستجاب الدعوات ہو گا۔ لیکن وقت کی دوری نے ہمیں کہیں کا نہیں رکھا۔

حضرت رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ ایک شعر پڑھا کرتے تھے عربی کا۔

كنا كزوج حمامته فى ايكته
متمتعين بصحته وشباب
دخل الزمان بنا وفرق بيننا ان الزمان
مفرق الاحباب

کہ ہم تو کبوتروں کے جوڑے کی مانند اپنے گھونسلے میں بڑے پیار اور بڑی محبت سے اکٹھے وقت گزار رہے تھے ناگاہ زمانہ ہمارے درمیان آگیا بیشک زمانہ دوستوں کو دوستوں سے الگ کر دیتا ہے۔

ہمیں صدیوں کی دوری نے ان محبتوں سے' ان برکات سے' ان کیفیات سے' ان جذبوں سے دور کر دیا جو محمد رسول اللہؐ کی بارگاہ سے نصیب ہوتے تھے۔ اب ایسا عجیب وقت آیا ہے کہ ملک میں سب سے بڑا اگر جھوٹا تلاش کرنا ہو تو وہ اس وقت کا حکمران ہوتا ہے اب جسے پورے ملک کی حکومت مل گئی کہ انسان کے لئے مادی اعتبار سے اس سے آگے کوئی مقام نہیں لیکن ایسا وقت آیا ہے کہ سب سے بڑا جھوٹ وہ بولتا ہے جس کے پاس حکومت ہوتی ہے اور آپ نے دیکھا کہ پاکستان میں کتنی دفعہ مارشل لاء لگا ہر مارشل لاء سے پہلے فوج کے سینئر کمانڈر یا کمانڈر انچیف کا بیان آتا تھا کہ مارشل لاء نہیں لگ رہا اور اگلے ہفتے مارشل لاء لگا ہوا ہوتا تھا۔ حتیٰ کہ جنرل ضیاء الحق مرحوم نے بھی بیان دیا تھا اگر آپ کو یاد ہو کہ فوج نہیں آئے گی' مارشل لاء نہیں لگے گا۔ اور چوتھے پانچویں دن مارشل لاء لگا ہوا تھا۔ اسی طرح ہمارے حکمران بھی جو کہتے ہیں اس کے الٹ کرتے ہیں یہ بڑی عجیب بات ہے۔

1971ء میں پاکستان کے آئین کو ایک خاص شکل دے کر علماء کی ایک اکیس رکنی کمیٹی سے بھی دستخط لئے گئے ہر مکتب فکر کے علماء نے بھی دستخط کئے اور ملک کے تمام سیاست دانوں نے بھی اسی لئے اکثر کے آئین کو متفقہ آئین قرار دیا گیا۔ اس آئین میں بھی یہ بات موجود ہے کہ قرآن وسنت ملک کا اعلیٰ ترین قانون ہو گا اور کوئی قانون جو قرآن وسنت سے ٹکرائے گا اسے کالعدم قرار دیا جائے گا۔ یعنی اگر حکمران چاہیں تو بغیر شریعت بل لائے رشوت بند کر سکتے ہیں' چور کو سزا دے سکتے ہیں' ڈاکو کو سزا دے سکتے ہیں' قاتل کو پھانسی دی سکتے ہیں' سود بند کر سکتے ہیں' بلاسودی نظام بنا سکتے ہیں' اگر حکمران چاہیں تو ایک ملک کے شہریوں کے لئے پانچ قسم کے نظام ہائے تعلیم کو ختم کر کے ایک ہی نظام تعلیم رائج کر سکتے ہیں اور اگر کرنا نہ چاہیں تو پھر اس بات کو طول دیتے چلے جائیں گے۔ اب حکومت کا دعویٰ یہ ہے کہ ہم شریعت بل لائے ہیں' قومی اسمبلی نے پاس کر دیا ہے سینٹ بھی پاس کر دے ملک میں اسلام نافذ کر دیں گے اور پچھلے ہفتے سے جناب وزیراعظم کا لہجہ بالکل تبدیل ہو گیا۔ اگلے دن وہ کہہ رہے تھے ہم طالبان والا اسلام لائیں گے' دہشت گردوں کو نہیں چھوڑیں گے' یہ کریں گے' وہ کریں گے آج کے اخبار میں تھا کہ ایک اور پرچہ ہو گیا بلاضمانت وارنٹ گرفتاری جاری ہو گیا الطاف حسین کے خلاف۔ یہ اچانک حکومت کی آنکھ کھل گئی اور کل تک الطاف حسین صدر بنا بیٹھا ہوتا تھا اور ساری حکومت اس کے قدموں میں لندن جا کر میٹنگ کرتی تھی یہ اچانک کیا کہیں سے الہام آگیا کشف ہو گیا کون سی وحی آگئی تب بھی ہم تو کہتے تھے کہ وہ ایک ڈاکو ہے لٹیرا ہے اور آپ اسے مہلت دے رہے ہیں اور وہ لوگوں کے خون بہا رہا ہے' اللہ کریم حکیم سعید کے درجات بلند کرے ان کی مغفرت کرے۔ لیکن کیا حکیم سعید صاحب کا خون زیادہ رنگین تھا اور جو ہزاروں روز مرتے ہیں دس دس پندرہ پندرہ سولہ سولہ لاشیں جو روز غریبوں کی نکلتی ہیں' ان کے خون کا رنگ سفید تھا۔ خون تو خون ہے' قتل تو قتل ہے۔ اللہ نے فرمایا! كانما القتل الناس جميعا" قاتل نے وہ جرم کیا گویا اس نے ساری انسانیت کو قتل کر دیا پھر ایک حکیم سعید پر بھی ایکشن کیوں ہو گیا چلو ہوا' اچھا ہوا لیکن میرے عرض کرنے کا مقصد یہ ہے کہ یہ ایکشن قتل کے' یا ظلم کے خلاف نہیں ہے اس میں بھی حکومت کی اپنی بہتری ہو گی کوئی ضرورت ہو گی' کوئی بات منوانا چاہتے ہوں گے۔ اب جو بیان نفاذ اسلام کا آرہا ہے' ہم ہر جلسے میں کہتے ہیں جناب! آپ اسلام نافذ کریں ہم آپ کے ساتھ ہیں' آپ کے خادم ہیں' ہم تو اسلام ہی چاہتے ہیں۔ لیکن جو خبریں آرہی ہیں وہ بالکل مختلف ہیں۔ یہاں بات اسلام اسلام کی ہوتی رہی اور جو ویب سائیڈ پر کمپیوٹر پہ جو خبر آئی جو امریکہ نے آؤٹ کی وہ یہ ہے کہ پاکستان کی حکومت نے اپنے نمائندے بھیجے اور ادھر سے امریکہ کے نمائندے تھے اور نیو یارک میں

واشنگٹن ڈی۔ سی میں باقاعدہ دستخط ہو گئے کہ پاکستان C.T.B.T پر دستخط کردے گا اور یہ یاد رکھیں کہ اس پر ستمبر99ء میں دستخط ہونے ہیں اصل مسودے پر ابھی جتنی حکومتیں آرہی ہیں وہ اسی ایگریمنٹ پر یا معاہدے پر کر رہی ہیں جو دستخط کرنے کا معاہدہ ہے اور اس پر حکومت پاکستان نے بھی کر دیئے عجیب بات ہے کہ ایک طرف نفاذ شریعت کا دعویٰ ہے اور دوسری طرف سب سے بڑا کام جو خلاف شریعت ہے وہ کیا جا رہا ہے۔

آج کا دور جو ہے یہ معاشی جنگ کا دور ہے یہ توپوں اور گولوں کی جنگ کا دور نہیں ہے۔ آج معاشی جنگ کا دور ہے۔ دنیا میں انسانی آبادیاں بڑھ گئی ہیں اور رزق کے وسائل دنیا میں پورے نہیں ہو پا رہے اس لئے کہ ان کی تقسیم مساویانہ نہیں ہے۔ اس لئے نہیں کہ اللہ رزق کم کر دیتا ہے۔ اللہ تو ہر متنفس کا رزق بھیجتا ہے لیکن لوٹنے والے ہزاروں کا رزق راستے سے لوٹ لیتے ہیں اور کوئی ایسا نظام نہیں ہے جو ہر مستحق کو اس کا حق پہنچانے کا سبب بنے۔

لہٰذا آدھے سے زیادہ مخلوق ننگی پھرتی ہے' بھوکی ہوتی ہے' علاج کے بغیر مرجاتی ہے اور کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے کتے بھی ایئر کنڈیشنڈ کمروں میں نرم رضائیوں پہ سوتے ہیں اور یخنی پیتے ہیں اور بسکٹ کھاتے ہیں۔ اب جو لوگ مفادات پر قابض ہیں وہ انہیں اپنے قابو میں رکھنا چاہتے ہیں اس لئے وہ دنیا کے ان بدمعاشوں سے الگ نہیں ہو سکتے جو ظالم ہیں اور ظلم کرکے دوسروں کے حقوق غصب کرکے بیٹھے ہیں۔ وہ اس ٹولی میں رہنا چاہتے ہیں لہٰذا ہر قیمت پر انہیں راضی رکھنے کے لئے ہر وہ شے بیچ دینا چاہتے ہیں جو وہ خرید کر راضی رہ سکے۔ اب ان کی ضد ہے کہ پاکستان کے پاس جو ایٹمی قوت ہے یہ ختم کر دی جائے۔ ذرا اندازہ کیجئے! اس وقت دنیا میں سات ممالک ایسے ہیں جن کے پاس ایٹمی طاقت ہے پہلے پانچ تھے چھٹا ہندوستان ساتواں پاکستان۔ پہلے پانچ بھی غیر مسلم تھے' ہندوستان بھی غیر مسلم' چھ طاقتیں دنیا میں غیر مسلم ایٹمی قوتیں تھیں اور پوری دنیا میں' پورے عالم اسلام میں' ایک پاکستان کو اللہ نے اس سے نوازا کہ ان کافروں کے مقابلہ میں یہ بھی ایٹمی طاقت ہے۔ اب ایٹمی طاقت کا عالم یہ ہے کہ دنیا کا کوئی ملک بھی اس کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتا۔ زیادہ سے زیادہ اٹامک وار کا خطرہ ہوتا ہے ایٹم بم اس کے پاس ہے کوئی اس پر چلائے گا یہ بھی چلائے گا۔ تو یہ ایک تحفظ تھا کہ رب کریم نے عالم اسلام کو کافروں کی طاقت کے مقابلے میں اپنے کرم سے عطا فرمایا۔ کافر اس سے ڈرتے ہیں' اس لئے کہ وہ دنیا کے ہر مسلمان ملک پر ظلم کر رہے ہیں۔ ان کے وسائل لوٹ رہے ہیں اور ان کے ذرائع اپنے قابو میں کرکے خود عیش کر رہے ہیں۔ وہاں سے خام مال اونے پونے لے جاتے ہیں اپنے ملک میں مہر لگا کر انہیں دس گنا قیمت پر بیچتے ہیں۔ ان کے وسائل لوٹ رہے ہیں تیل عرب میں نکلتا ہے نکالنے والی امریکن اور یورپین کمپنیاں اور اس سے فائدہ حاصل کرنے والی کمپنیاں انہیں دو پرسنٹ چار پرسنٹ رائیلٹی دے دیتے ہیں۔ اسی طرح ہر مسلم ملک کے وسائل لوٹے جا رہے ہیں آپ کا ورلڈ بنک اور آئی ایم ایف جو ہے ورلڈ بنک میں سرمایہ ساٹھ فیصد سے زیادہ مسلمانوں کا ہے۔ مزے کی بات یہ ہے کہ سرمایہ بھی مسلمانوں کا ہے اور مسلمان ملکوں کو ہی شرائط لگا کر سخت شرائط کے ساتھ سود پر قرض دے کر انہیں لوٹا بھی جا رہا ہے لیکن ہمارے حکمران بھی کیونکہ اس لوٹ میں شریک ہیں ان کو بھی حصہ ملتا ہے لہٰذا انہوں نے اب یہ رویہ اختیار کر لیا ہے کہ نام اسلام کا لیتے رہو اور کام ان کا کرتے رہو۔

مجھے خدشہ تھا کہ جب سے اس حکومت کا رویہ بدلا ہے اور یہ علی الاعلان میدان میں نکل آئے ہیں کہ جی ہم اسلام نافذ کریں گے' ہم حدود جاری کریں گے' ہم سودی نظام ختم کر دیں گے' ہم شرعی سزائیں دیں گے' ہاتھ پاؤں کاٹیں گے' کمال ہے یار! آج تک تو ہماری حکومت اور ٹیلی ویژن طالبان پر طنز کرتا رہا' اس موجودہ حکومت کے وزیر بھی بیان دیتے رہے کہ یہاں طالبان والا اسلام نہیں چاہئے۔ اب وزیراعظم کہتا ہے طالبان والا اسلام آئے گا تو اندر خانے بات کیا ہے۔ پتہ چلا کہ جناب وزیراعظم تشریف لے جا رہے ہیں امریکہ اور پانچ شرائط مانی جائیں گی امریکہ کی اور جتنا پیسہ انہیں مزید چاہئے ہوگا وہ امریکہ انہیں دے گا اور قوم مزید سود کے بوجھ کے نیچے دب جائے گی اور یہ لوگ پیسے لیکر پھر گلچھڑے اڑائیں گے۔ شرائط کیا کیا ہیں غور سے سنئے۔

امریکہ کی پہلی شرط یہ ہے کہ آپ C.T.B.T پر دستخط کریں C.T.B.T عام آدمی کی سمجھ میں نہیں آتا C.T.B.T کیا بلا ہے انگریزی کا ایک جملہ ہے

Comprehensive test ban Treaty

لازمی اور ضروری ایٹم کے ٹیسٹ پر پابندی۔ اس کا معیار کیا ہے؟ اگر اس پر دستخط کر دیئے جائیں تو کیا ہوگا؟ اس کا معیار یہ ہے کہ اگر زیرو شیلڈ بھی ایٹم ہو (صفر ایٹم سے مراد ہے کہ آپ کوئی اور مشین بناتے ہیں کوئی اور چیز بناتے ہیں اور خطرہ ہے کہ اس سے ایٹم بھی بن سکتا ہے) تو وہ مشین بنانا بھی جرم ہوگا نمبر ایک یہ ہے کہ اس معاہدے کو مان لیں کہ آئندہ پاکستان میں کوئی ایٹمی بم نہیں بنے گا ایک بات۔

دوسری بات یہ ہے کہ جو آج تک بن چکا ہے اسے ختم کر دیا جائے یہ دوسری شرط ہوگی معاہدے کی۔

معاہدے کی تیسری شرط یہ ہوگی کہ پاکستان طالبان کی اسلامی حکومت کو کمزور کرنے میں کردار ادا کرے گا تاکہ وہاں اسلامی حکومت نہ بنے۔ ملی جلی حکومت باقی لوگوں کو بھی ملا کر بھی بنائی جائے۔ معاہدے کی چوتھی شرط یہ ہوگی کہ دینی مدارس کی قوت کو توڑا جائے اور حکومت اس پر توجہ دے۔

چونکہ دینی مدارس سے جو لوگ نکل رہے ہیں وہ بڑا طوفان بن گیا ہے یہ دینی مدارس کا تعارف ان طلباء نے اور طالبان جنہیں کہتے ہیں یہ طالبان طلباء ہیں سٹوڈنٹس ہیں دینی مدارس کے' انہوں نے کرا دیا۔ تو دینی مدارس جو پاکستان میں ہیں یہ بڑے

خطرناک ہیں اور بڑے خطرناک قسم کے لوگ یہ پیدا کرتے ہیں۔ لہٰذا ان پر حکومت کوئی خاص قسم کی پابندیاں لگائے گی تاکہ یہ اپنا کام نہ کر سکیں اس طرح کے لوگ پیدا نہ کریں۔ ایٹم پر پابندی اور دوسری اس کا رول بیک تیسری شرط ہوگی طالبان کی حکومت کو توڑنے کی چوتھی ہوگی دینی مدارس پر ایک پانچویں بھی ہے مجھے یاد نہیں آرہی پانچ شرائط ہیں اس میں۔ پانچویں بھی شاید اسی طرح کی کوئی سخت ہے مجھے یاد نہیں آرہی اور اس معاہدے پر ستمبر میں جب وزیراعظم امریکہ تشریف لے جائیں گے دستخط ہونگے۔

کمال ہے یار زبان پر تو بڑا اسلام کا نام ہے' اسلام کے دعوے ہیں' اسلام کا شور ہے اور ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہمارے ہاں لوگ اور قیادتیں اور لیڈر شپ بکاؤ مال بن گئی ہیں۔ سیاست دان خریدے جاتے تھے اور اسے انگریزی کے محاورے Horse-Trading گھوڑے بیچنے کا' گھوڑوں کی تجارت کا نام دیا گیا۔ سیاست دانوں سے ووٹ خریدے گئے روپوں کے سوٹ کیس دے کر' اس کا نام ہارس ٹریڈنگ رکھا گیا (گھوڑوں کی خرید وفروخت) لیکن اب علماء اور دینی لیڈر خریدے جا رہے ہیں اور میں آپ کو ایک نشانی بتادوں جسے روپے مل جاتے ہیں یا جسے کوئی نوٹوں کا بکس مل جاتا ہے وہ کہتا ہے حکومت جو کر رہی وہ ٹھیک کر رہی ہے۔ حکومت کو چھوڑو نماز روزہ کرو' حکومت کو چھوڑو تبلیغ پر نکل جاؤ۔ حکومت کو چھوڑو چلہ لگاؤ۔ حکومت کی بات نہ کرو روزے رکھا کرو۔ وضو کا طریقہ یہ ہے نماز کا طریقہ یہ ہے۔ بھئی عبادات بہت ضروری ہیں لیکن وقت وقت کی بات ہوتی ہے۔

کس نے سکھائیں عبادات؟ محمد رسول اللہؐ نے۔ روزہ فرض ہے اور فرض عین ہے' میدان بدر میں نبی کریمؐ صف آرا ہونے کو ہیں' صبح طلوع ہو رہی ہے صحابہ کرام اٹھے سحری کھانے کے لئے تیاری ہو رہی ہے۔ صبح سحری کھاؤ فرمایا نہیں کوئی تکلف نہیں سحری کا۔ یا رسول اللہؐ کیوں؟ فرمایا آج کا روزہ قضا کیا جائے گا۔ آج بدر کا دن ہے۔ آج کی پوری قوت جہاد پر ہوگی روزے کی قضا ہو سکتی ہے لیکن جب ظلم سامنے ہو اور اسے بڑھنے کا موقع دے دیا جائے تو اس کی قضا نہیں ہوتی۔ خود نبی علیہ الصلواۃ والسلام نے حکماً" روزہ رکھنے سے منع کر دیا' اس لئے کہ جب وقت آجاتا ہے برائی بڑھنے لگتی ہے ظلم پھیلنے لگتا ہے تو عبادات چھوڑ کر بھی اسے روکنا ضروری ہو جاتا ہے۔ نماز فرض عین ہے اور دن میں پانچ نمازیں فرض ہیں اور بلاعذر شرعی چھوڑنے کا کوئی اس کا جواز نہیں بنتا اور بلاعذر شرعی کوئی نماز چھوڑ دے تو قرآن کہتا ہے' حدیث کہتی ہے کہ اس نے کافروں جیسا عمل کیا۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام فرماتے ہیں فقد کفر وہ کام کیا جو کافر کرتا ہے۔ غزوہ احزاب میں خندق پہ دباؤ بڑھ رہا تھا قبائل عرب کا اور پلٹ پلٹ کر حملے کر رہے تھے۔ حضور علیہ الصلواۃ والسلام دفاع فرما رہے تھے۔ ایک دن کی چار نمازیں قضا ہوئیں' فجر کے بعد عشاء تک کوئی نماز نہیں پڑھی گئی۔ چار نمازیں قضا ہوئیں' رسول اللہؐ کی نماز قضا ہوئی' صحابہ کبار کی نماز قضا ہوئی۔ آپؐ نے فرمایا نمازوں کی قضا ہو جائے گی لیکن اگر یہ قبائل عرب مدینے پہ قابض ہو گئے تو پھر اس کی کوئی قضا نہیں ہوگی۔

آج وطن عزیز میں عالم کفر پورا زور لگا رہا ہے کہ ان کی ایٹمی طاقت بھی ختم ہو جائے اور اسلامی مطالبات بھی ختم ہو جائیں۔ یہاں کافرانہ نظام ہی جاری رہے اگر آج اس موجودہ عہد میں اتنی کوشش کے بعد اسلامی قوتیں دم توڑ گئیں اور اسلام نافذ نہ ہو سکا' خدا ایسا نہ کرے' تو یاد رکھو صدیوں بعد کوئی پھر اسلام کا نام لے گا پھر اسلام کا نام لینے والے صدیوں پیچھے چلے جائیں گے۔ آج کے اس دور میں ساری تبلیغ سارا ثواب ساری نمازیں سارے روزے آج میدان میں موجود ہیں۔ آج اس کی عبادت ہے جو میدان میں نکل کر کرے اور آج یہ بڑے بڑے جلسے کوئی کہتا ہے میری تین لاکھ کی حاضری تھی ہماری پانچ لاکھ کی۔ ملتان میں جلسہ ہوا جی پانچ لاکھ کی حاضری تھی' کام کیا کیا؟ ہم نے جی لوگوں کو وضو کے طریقے بتائے' نماز کے بتائے۔ جن لوگوں کو چودہ سو سال میں نہیں آئے تم نے پانچ دنوں میں یا تین دنوں میں کیسے بتا لئے؟ یہ وضو کے طریقے سکھانے کا وقت ہے یا جان دینے کا وقت ہے۔ یہ قوم دوراہے پہ کھڑی ہے یا اسلام نافذ ہو گا یا صدیوں اس ملک میں کوئی اسلام کا نام نہیں لے گا۔ اور آپ کہتے ہیں وضو کا طریقہ یہ ہے۔ شاباش ہے بھائی! اگر پاکستان میں اسلام نافذ نہیں ہوتا تو پھر دنیا کے کسی ملک میں اسلام نافذ نہیں ہو سکے۔ گا باقی ساری اسلامی تحریکوں کا دارومدار پاکستان پر ہے۔ جو افغانستان میں لڑ رہے ہیں اگر پاکستان اس کی بیس Base نہ ہوتا نہیں لڑ سکتے تھے۔ فلسطین اور جزائر' بوسنیا' کوسوو تک تو پاکستانی نوجوان اپنی جانیں دے رہے ہیں' ان سارے شہداء کا خون ضائع کر دیا جائے گا اگر یہاں اسلام نافذ نہ ہوا۔

اور قرآن نے یہ اصول بتایا ہے ان الذین امنوا وعملو الصلحت سیجعل لھم الرحمٰن وداکہ جب لوگ ایمان لاتے ہیں اور اچھے عمل کرتے ہیں تو ان کے لئے اللہ لوگوں کے دلوں میں محبت پیدا کر دیتا ہے۔ آپ نے دیکھا حکمرانوں کے ساتھ کوئی محبت کرتا ہے؟ جسے دیکھو گالی بکتا ہے خواہ وہ مقتدر پارٹی کا ہو یا دوسری کا ہو ہر آدمی نفرت کرتا ہے اس لئے کہ یہ جھوٹے ہیں کہتے کچھ اور ہیں کرتے کچھ اور ہیں۔ خدا کے لئے یہ لمحہ ایسا ہے کہ پوری توجہ دیجئے اور پورے خلوص سے دیجئے اور پوری محنت کیجئے کہ وطن عزیز میں اسلام نافذ ہو۔ ورنہ یاد رکھئے ہم نے تو بزرگوں کے جنازے پڑھ لئے اگر خدانخواستہ اسلام نافذ نہ ہوا تو شاید ہماری جب باری آئے کوئی جنازہ پڑھانے والا بھی نہ بچے۔ علامہ اقبال نے بہت عرصہ پہلے کہا تھا کہ اگر یہی حال اس قوم کا رہا تو آئیں گے غسال کابل سے کفن جاپان سے۔

یہ پیشن گوئی انہوں نے بہت عرصہ پہلے کی تھی کہ پھر میت کو غسل دینے کے لئے تلاش کرنا

پڑے گا کہ کوئی کابل سے ملا پکڑ کرلے آؤ کفن کے کپڑے جاپان سے آئیں گے اب وہی حال ہو رہا ہے اگر دینی مدارس کی بنیاد میں بھی رخنے ڈال دیئے گئے جیسا کہ حکومت اپنے معاہدے کی طرف بڑھ رہی ہے اور پروگرام بن رہے ہیں' منصوبے بن رہے ہیں کہ کیا کیا عمل اس پہ کیا جائے' کس طرح سرکاری تحویل میں انہیں لیا جائے' ان پر سرکاری آفیسر لگائے جائیں' ان کے آڈٹ کئے جائیں' ان کا یہ کیا جائے کسی نہ کسی طرح انہیں مجبور وبے بس کیا جائے۔ اس کے ساتھ ایٹمی ترقی ہی نہ روک دی جائے بلکہ جو کچھ ایٹم بن چکا ہے اسے بھی تباہ کر دیا جائے قوت بھی تباہ کر دی جائے۔ اور اسلامی مملکت جو نئی ابھر رہی ہے افغانستان کی اس کی پیٹھ میں بھی چھرا گھونپا جائے اور اس کے ساتھ فوجی قوت کم کی جائے۔ ہاں پانچویں بات یہ تھی کہ پاکستان کی فوجی صلاحیت کم کی جائے۔ تو خدانخواستہ اگر یہ معاہدہ کرکے حکمران آتا ہے اس پر عمل کرتے ہیں تو اس کے بعد اگر اس پر دو سال بھی عمل ہو گیا تو اس کے بعد کسی میں سر اٹھانے کی توفیق نہیں رہے گی لہٰذا ضروری ہے کہ اب سے حکمرانوں کو یہ بتا دیا جائے کہ کسی حکمران کو ایسے معاہدے کرنے کا اختیار قوم نے نہیں دیا کہ وہ قومی غیرت کو بھی بیچ دے اور قومی ایمان کو بھی نیلامی پر چڑھا دے اور جس قوم کی فکر آزاد نہیں ہوتی اس کی سوچ آزاد نہیں ہوتی وہ اپنے فیصلوں میں آزاد نہیں ہوتی وہ قوم آزاد نہیں ہوتی۔ معاہدے ایسے کر دیئے جائیں کہ فیصلے واشنگٹن کے ہم پر مسلط ہوں تو یہ چودہ کروڑ عوام کے ساتھ نہیں اس سے کئی گنا زیادہ شہداء کے خون کے ساتھ غداری ہے لہٰذا حکومت بے شک نعرے اسلامی لگاتی رہے لیکن کام بھی اسلامی ہی کرے اور ذرہ سنبھل کر کرے اگر کسی ایسے معاہدے پر دستخط ہوئے تو حکمرانو! یاد رکھو اللہ کی وسیع زمین بھی تمہیں پناہ دینے سے انکار کر دے گی۔ تمہیں شہنشاہ ایران کا انجام یاد رکھنا چاہئے تمہیں اندرا گاندھی اور مجیب الرحمٰن اور ذوالفقار علی بھٹو کو بھولنا نہیں چاہئے یہ ساری طاقتیں تھیں اور تم سے زیادہ طاقت ور تھے تم سے زیادہ سمجھ دار تھے اور تم سے زیادہ دنیا ان کے ساتھ تھی لیکن جب اللہ کا نظام حرکت میں آیا تو خدا کی گرفت سے انہیں کوئی نہ بچا سکا۔ وہی شخص جو خود کو شہنشاہ کہلواتا تھا ایک وقت آیا کہ جب وہ مر گیا تو کوئی ملک اس بات کی اجازت دینے کے لئے تیار نہیں ہوتا تھا کہ اسے دو گز زمین میں دفن کر دیا جائے۔ انوار السادات مصر کا صدر تھا اس نے اس شرط پر اجازت دی تھی کہ مصر میں دفن کرو لیکن اس کا جو بیٹا اس کا وارث ہے وہ میری بیٹی سے شادی کرے اس کے پاس دولت بڑی ہے انہوں نے یہ شرط قبول کی اس کے بیٹے نے انوار السادات کی بیٹی سے شادی کی تب دو گز زمین مصر میں ملی شہنشاہ کو دفن کرنے کے لئے اور اس زمین نے بھی اسے پناہ نہ دی پانچ چھ سال بعد اس کی بہن اشرف پہلوی قبر دیکھنے کے لئے گئی تو میں نے خود اس کا بیان پڑھا تھا کہ میرے بھائی کی قبر دھنستی جا رہی ہے کوئی اس کو دیکھتا نہیں جنہیں رب دھنسانا شروع کر دیتا ہے کوئی دیکھ کر کب روکے گا۔ قبر کو بھی زمین نے پناہ نہ دی قبر نے بھی دھنسنا شروع کر دیا وہ بھی خود کو مسلمان کہلواتا تھا۔ اس نے حج بھی کئے تھے وہ بھی بیت اللہ دوڑ دوڑ کر جاتا تھا وہ بھی طواف کیا کرتا تھا۔ لیکن جب دین کی بات آئی ملکی ترقی کی بات آئی جب عدل وانصاف کی بات آئی تو لوگوں کو ظلماً" مار دیا بھوک سے لوگ مرنے لگے۔

کسی نے کہا کہ آپ کے ملک میں بڑی ترقی ہوئی شہروں میں اللہ کا بڑا احسان ہے تو اس نے کہا اللہ کون ہوتا ہے احسان کرنے والا کام تو میں نے کیا اور احسان اللہ کا ہو گیا یہ اس کا جملہ تھا آج ہمارے سنیٹر بھی سینٹ میں بیٹھ کر اللہ کی شان میں گستاخی کرتے ہیں دیکھو ٹکے ٹکے کے لوگ ہیں یہ۔ اور یہ ایسے لوگ ہیں جن کے آگے پیچھے کی سند نہیں ملتی یہ اللہ کی شان میں ہی نہیں رسول اللہؐ کی شان میں بھی گستاخی کرتے ہیں اور حد دیکھو وزیراعظم صاحب جلسے میں کہتے ہیں کہ ایک سنیٹر نے اللہ کی شان میں گستاخی کی دوسرے نے معاذ اللہ رسول اللہؐ کو' نقل کفر کفر نہ باشد "ڈکٹیٹر" کہا۔ تو لعنت ہو اس حکمران پر جو سن کر گھر چلا آیا اس نے اس پر کوئی ایکشن نہ لیا۔ کفر بکنے والا تو کافر ہوتا ہی ہے وہ بھی کافر ہے جو کفریہ کلمات سن کر اس کا سدباب کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور نہ کرے اس کے کفر میں بھی کوئی شبہ نہیں۔ ملک کا سربراہ ہو اور اس کے سامنے توہین ہو آقائے نامدارؐ کی اور قربان جایئے سرکاری مولویوں کے۔ ایک مولوی صاحب نے کہا جی بیشک حضورؐ کو ڈکٹیٹر کہا جائے کیونکہ حضورؐ تو حکم ہی دیتے تھے اللہ کا حکم ہوتا آپؐ پر وحی آتی آپؐ ڈکٹیٹ ہی کراتے تھے۔ ارے مولوی! تیرا مغز خراب ہو گیا؟ لوگ ہٹلر کو ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔ کسی بھی لفظ کا گرائمر سے معنی نہیں لیا جاتا وہ معنی لیا جاتا ہے جو لوگ سمجھتے ہوں۔ ڈکٹیٹر کا لفظ ایجاد ہوا ہے ہٹلر سے۔ پرانے زمانے میں فرعون کہتے تھے نئے زمانے میں ڈکٹیٹر کہتے ہیں اور ہٹلر کو ڈکٹیٹر کہتے ہیں۔ ضیاء الحق کو جب کوئی گالی دیتا تھا پیپلز پارٹی والا تو بڑی گالی یہ ہوتی تھی کہ یہ ڈکٹیٹر ہے یا اردو میں آمر کہتے ہیں۔ اب مولوی صاحب کو اتنا لحاظ ہے حکومت کا کہ لفظ ڈکٹیٹر کی تفسیر کر رہے ہیں حکومت کی خیر خواہی میں۔ ایسی کوئی تفسیر قبول نہیں جس میں نبی علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہو وہ بھی کافر ہے اور جس حکمران نے سن کر اس کا کوئی اثر نہیں لیا' مواخذہ نہیں کیا' وہ بھی کافر ہے اور کوئی شبہ نہیں ہے اس میں' اس میں کوئی لحاظ کسی دوستی کی کوئی گنجائش نہیں۔

یار ذرا انصاف کرو اگر کوئی یہ لفظ وزیراعظم کے والد گرامی کی شان میں کہہ دیتا تو پھر؟ میں نے صرف اتنا کہا تھا لاہور میں' الحمراء میں ایک فنکشن ہو رہا تھا اور میں نے اس میں اتنی گستاخی کی تھی کہ ایک صاحب مجھ سے پہلے تقریر کر رہے تھے مولانا عبدالستار خان نیازی صاحب' انہوں نے کہا بڑے میاں صاحب سے میں ملا ہوں اور بڑے میاں صاحب نے مجھے یقین دلایا کہ میرے بیٹے میری بات بہت مانتے ہیں تو میں نے انہیں کہا کہ بیٹوں سے کہئے

اسلام نافذ کریں تو انہوں نے کہا میں نے کہا ہے کریں گے اس طرح کی بات تھی بعد میں میری تقریر تھی میں نے کہا جی اگر باپ کی بات مانتے ہیں تو کم از کم اللہ کی عظمت باپ سے تو زیادہ ہے اور باپ بھی ان کا یہ تو نہیں کہتا ہوگا کہ اللہ کی بات نہ مانو تو بھئی جہاں ابا جان لکھا ہوا ہے وہاں اللہ لکھ دو ابا کی جگہ اللہ لکھ دو جھگڑا ہی ختم ہو جائے اللہ کی مان لو ابا آپ دو کا ہے اللہ سب کا ہے اتنی سی بات سے وزیر اعلیٰ مجھ سے خفا ہوے ملاقات ہوئی کہنے لگے آپ ہمارے خلاف تقریر کرتے ہیں۔ میں نے کہا جی میں نے یہ جملہ کہا آپ کے سامنے بھی کہہ رہا ہوں اور میرا یہ عقیدہ ہے کہ آپ کے ابا کا وہ مقام نہیں جو اللہ کا ہے آپ کو بھی یہ سمجھ لینا چاہئے کہ حق یہی ہے اور اتنی سی بات پہ خفا ہو جاتے ہو اللہ کے مقابلے میں ابا کو لے آتے ہو اور حضورؐ کی توہین ہوتی ہے تو برداشت کر جاتے ہو۔ اپنے معاملے میں اتنے Sencitive اتنے حساس ہو۔

(نماز کا بھی وقت ہو گیا) لیکن میں آپ کو ایک بات چھوٹی سی سنا دوں اگلے دن ایک فنکشن تھا راولپنڈی میں اور میں بھی اس میں تھا' کچھ پیپلز پارٹی کے پرانے وزراء بھی تھے تو ان میں ایک میانوالی سے وزیر صحت ہوا کرتے تھے ڈاکٹر شیر افگن' وہ موجود تھے ان سے کسی نے کہہ دیا کہ آپ لوگوں نے' سیاست دانوں نے ہمیں بڑا رسوا کیا۔ اس نے کہا جی ہم نے آپ کو رسوا نہیں کیا' آپ لوگ بے غیرت ہیں تو اس پہ گرما گرمی ہونے لگ گئی کہ آپ نے ہمیں بے غیرت کہہ دیا میں نے کہا یہ ٹھیک کہتے ہیں۔ تم ہی نہیں ہم بھی بے غیرت ہیں تمہارے ساتھ ہیں۔ ووٹ دینے والے ہر شخص کو ایسا کہا جا سکتا ہے۔ ڈاکٹر نے کہا آپ مولانا جی اسے چھوڑ دیں میں سمجھاتا ہوں۔ اس نے کہا تم لائے تھے ناضیاء الحق کے بعد بے نظیر کو ووٹ دے کر' تمہیں نے ووٹ دیئے اور جب اس کی حکومت بنی تو تم لوگوں نے کہا یہ چور ہے ڈاکو ہے بدمعاش ہے۔ ہم اس کے وزیر تھے ہمیں بھی تم نے چور ڈاکو کہا حکومت ختم کر دی' بھگا دیا' نواز شریف کو لے آئے پھر تم نے کہا نواز شریف بھی چور ہے اسے بھگا دیا' پھر بے نظیر کو لے آئے' بے غیرتی نہیں تو کیا ہے۔ پھر بے نظیر کو بھگا دیا چور چور کر کے اور پھر نواز شریف کو لائے پھر بے غیرتی کس نے کی؟ کیا اب یہ پارسا ہو گیا تھا؟ اب اس کو بھگانے والے ہو' اس نے کہا! ہم پھر آجائیں گے تو بے غیرت تم ہی لوگ ہو' گلہ ہمیں دیتے ہو۔ میں نے کہا جی اب تو شاید آپ کا آنا مشکل ہو جائے گا انشاء اللہ۔ تو کسی نے انہیں کہہ دیا کہ جی یہ اعوان صاحب بھی بیٹھے ہیں تو کہنے لگا جی یہ ہمارے بھائی ہیں۔ تو میں نے کہا جی بھائی تو ہیں لیکن دعا کرو اللہ آپ کو ہم سے بچا لے۔ برادری دوستی اپنی جگہ لیکن میں آپ کو بتا دوں روزانہ دعا کیا کرو جب ہمارے ہتھے چڑھ جاؤ گے تو دیکھو گے انصاف کسے کہتے ہیں اور عدل کیا ہوتا ہے۔ آج کے نامعلوم قتل ہیں نا آپ کے۔ ہم آپ کو انشاء اللہ چودہ اگست 1947ء سے لیکر آج تک کے قاتل نکال کر دیں گے اور جو مر چکے ہیں ان کی قبروں پر بھی تختے لگائیں گے کہ یہ فلاں کا قاتل تھا اور اس کی یہ سزا ہے۔ اس لئے میں نے کہا ڈاکٹر صاحب دعا کیا کرو کہ اللہ آپ لوگوں کو ہم سے بچائے۔ اس لئے کہ ہم پورا زور لگا رہے ہیں اور دعا بھی کر رہے ہیں کہ آپ ہمارے قابو آجائیں آپ کو بھی حق ہے۔

انشاء اللہ العزیز حکمرانوں کی بدمعاشیاں نہیں روک سکیں گی نفاذ اسلام کو' وطن عزیز پر اسلامی انقلاب آئے گا اور آنے والا ہے۔ اسلام نافذ ہوگا' عدل اسلامی ہوگا۔ یہ بھونکنے والے کتے ان کو چورستوں میں سزا دی جائے گی اور توہین رسالت کے ایک ایک جملے کا انہیں حساب دینا ہوگا۔ آج نہیں بتاتے نام تو کل عدالت میں' چوک میں کھڑے ہو کر وزیر اعظم کو بھی بتانا پڑے گا اور سینٹ کے ریکارڈ کو بھی بتانا پڑے گا اور اسمبلی کے ریکارڈ کو بھی بتانا پڑے گا کہ کس نے کیا بکواس کیا۔ اللہ ہمیں توفیق دے کہ ہماری وفائیں اللہ کے دین کے ساتھ رہیں کوئی ہمیں خرید نہ لے اور اللہ ہمیں راہ سے بھٹکنے سے بچائے' کسی کا خوف ہم پر مسلط نہ ہو' اللہ کے ساتھ امید وابستہ رہے' بارگاہ نبوتؐ کے ساتھ محبت کا رشتہ قائم رہے۔

انشاء اللہ امریکہ کیا ایسے دس امریکہ بھی اسلام کا راستہ نہیں روک سکتے۔ کیا قیصر و کسریٰ نے ان صحرا نشینوں کے راستے روک لئے تھے جو مٹھی بھر' صحرا سے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ اسی طرح آج کے قیصر و کسریٰ بھی ان جوانوں کے گھوڑوں کی لگامیں نہیں روک سکیں گے جن پر وہ سرفروشان رسول اللہؐ سوار ہوں گے۔ انقلاب دستک دے رہا ہے۔ حکمرانو! توبہ کرو یہی سلامتی کا راستہ ہے۔ اب بھی اگر تم بعد معاشی پر ہو کہ لوگوں کو نام اسلام کا دکھاؤ اور وعدے کفر سے کرو تو ان معاہدوں سمیت تمہیں چوکوں میں لٹکا دیا جائے گا اور ہم تمہارے کسی معاہدے کے کبھی پابند نہیں ہوں گے۔

بقیہ: ذکر خفی

حاصل ہے۔

3- ترمذی کی حدیث سے ظاہر ہے کہ ذکر دوزخ کی آگ سے نجات دلانے والا ہے۔

4- اللہ تعالیٰ نے صبح و شام ذکر کرنے کا حکم دیا۔

5- صبح و شام ذکر نہ کرنے والا خدا سے غافل ثابت ہوا۔

ہمارے سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ میں جو ذکر کرایا جاتا ہے وہ ذکر قلبی ہے اور صبح و شام ذکر کرایا جاتا ہے اور اس آیت پر ہمارا پورا پورا عمل ہے۔ جن سلسلوں میں سالک کی تربیت کیلئے ذکر جہر لسانی کرایا جاتا ہے وہ صرف مبتدی کے لئے ہے اور منتہی کیلئے ان کے ہاں بھی ذکر خفی پر ہی زور دیا جاتا ہے۔

بقیہ: پہلا قطرہ

یہ جرات رندانہ حاصل کر جائیں اور وہ انقلاب جو یقینی ہے۔ ضرور آرہا ہے قریب تر ہے اس قافلے میں ہمیں بھی جگہ دے۔ توفیق بخشے اور نفاذ اسلام کی راہ میں قبول فرمائے۔ آمین